www.KitaboSunnat.com

دوسرے لاہور کے غزنی کے تابع ہونے سے اس علاقے میں سیاسی اور فقہی امور میں مرکزی ایشیا سے روابط کا آغاز ہوا۔

محمد بن قاسم کی مثال اور عہد غزنوی میں اس کی پیروی سے ہندوؤں کے متعلق وہ روادارانہ طرزِ عمل قائم ہو گیا تھا۔ جس کی تائید فقہ اسلامی کے ائمہ اربعہ میں سے کم از کم تین کے طریقِ کار سے نہیں ہوتی تھی۔ جب دہلی میں اسلامی حکومت قائم ہوئی۔ اور بالخصوص چنگیز خاں کے ظلم و ستم سے پناہ لینے کے لیے التتمش کے زمانے میں بے شمار علما و فقہا دہلی میں جمع ہو گئے (اور منگولوں کی لرزہ خیز چیرہ دستیوں سے کفر و اسلام کی کشمکش کا سوال نہایت خوفناک صورت میں سامنے آ گیا) تو ہندوؤں سے طریقِ کار کا سوال پھر سے اٹھایا گیا۔ برنی نے اپنی کتاب صحیفۂ نورِ محمدی میں اس واقعہ کی تفاصیل دی ہیں[۱]۔ وہ لکھتا ہے کہ اب بہت سے علما نے کہنا شروع کیا کہ نہ تو ہندو اہلِ کتاب ہیں اور نہ اہلِ ذمہ۔ ان کے لیے تو ایک ہی حکم ہے کہ یا وہ اسلام قبول کریں یا زندگی سے دست بردار ہوں۔ چنانچہ وقت کے معتبر ترین علما سلطان شمس الدین التتمش کے پاس پہنچے اور اس مسئلے کو شرح و بسط سے بیان کیا اور کہا کہ دینِ حنیفی کا تقاضا ہے کہ ہندوؤں سے فقط خراج و جزیہ پر اکتفا نہ کی جائے اور ان کے لیے "اما القتل و اما الاسلام" کا حکم جاری ہو۔ بادشاہ نے ان کے ساتھ بات چیت کی اور پھر اپنے وزیر نظام الملک جنیدی کو حکم دیا کہ وہ علما کا جواب دے۔ اور عقل و مصلحت کی رو سے جو طریقِ کار موزوں نظر آتا ہے۔ اس کی وضاحت کرے۔ چنانچہ وزیر نے اس مسئلے پر تفصیل سے بحث کی اور کہا کہ اگرچہ ہندو اہلِ کتاب نہیں اور نہ ہی اہلِ ذمہ ہیں، لیکن اس وقت ہندوستان میں ابھی ابھی ہماری حکومت قائم ہوئی ہے اور ہندوؤں کی تعداد اتنی ہے کہ مسلمان ان کے

---

[۱] متعلقہ اقتباس دربارِ ملی کے صفحہ ۷۸۔ ۸۰ پر دیا گیا ہے۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

درمیان آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ اگر ہم "اَما القتل واَما الاسلام" کا حکم جاری کریں تو عجب نہیں کہ سارا معاملہ دگرگوں ہو جائے اور ہر طرف ایک فتنہ برپا ہو جائے۔ وزیر کا جواب سُننے پر علما نے بادشاہ سے کہا کہ اگر ہنود کے قتل کا حکم جاری نہیں ہوتا تو کم از کم اِتنا تو ہو کہ ہنود کی عزت آپ کے دربار میں نہ ہو۔ نہ ہی ہندوؤں کو یہ اجازت ہو کہ وہ مسلمانوں کے درمیان رہیں اور دارالسلطنت اور مسلمانوں کے قصبوں میں اس امر کا اہتمام ہو کہ وہاں کُفر و بت پرستی کے احکام جاری نہ ہوں۔ چنانچہ بادشاہ اور وزیر نے یہ تینوں شرائط قبول کر لیں اور ہندوؤں کے قتل کا حکم جاری نہ ہُوا۔

شیخ نورالدین مُبارک غزنویؒ

سنہ ۱۲۳۴ء

سلطان شمس الدین التمش کے زمانے میں بے شمار علما و فقہا دہلی میں جمع ہو گئے تھے۔ بعض کے نام محفوظ ہیں۔ مثلاً قاضی فخر الاسلام قاضی (و شیخ) حمید الدین ناگوری، شیخ نظام الدین ابوالمؤید غزنوی، قاضی قطب الدین کاشانی، نجم الدین صغرا وغیرہ۔ لیکن ان میں سرِفہرست سیّد نورالدین مُبارک غزنوی کا نام ہے۔ جن کی نسبت شیخ عبدالحق محدّث لکھتے ہیں:۔

"خلیفہ، شیخ شہاب الدین سہروردی است۔ مقتدا و شیخ الاسلام دہلی بود۔ و در زمان سلطان شمس الدین (التمش) او را امیرِ دہلی مے گفتند۔" (اخبار الاخیار ص ۲۸)

سیّد نورالدین مُبارک غزنوی شریعت اور طریقت کے جامع تھے۔ وہ حُسینی سیّد تھے۔ غزنی میں پیدا ہوئے۔ پہلے غزنی میں اپنے ماموں سے تعلیم پائی۔ پھر بغداد جا کر شیخ شہاب الدین سہروردی سے فیض حاصل کیا۔ سلطان محمّد غوری ان کا بڑا مُعتقد تھا۔ اُس نے ان کو شیخ الاسلام مقرر کیا تھا۔ لڑائیوں سے پہلے ان سے دُعا کا طالب ہوتا تھا۔ (نزہت الخواطر ص ۲۰۲) غزنی سے وہ ہندوستان آئے۔ سلطان شمس الدین بھی ان کی بڑی تعظیم کرتا تھا۔ اور اپنی مہموں سے پہلے دُعا کا طالب ہوتا۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں ایک طویل وعظ شیخ نورالدین مُبارک سے منسوب کیا ہے، جس سے ان کے اندازِ فکر بلکہ اس ابتدائی دُور کی ذہنی کشمکش پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ وعظ سلطان شمس الدین التمش کی مجلس میں کیا گیا۔ اور اس میں بادشاہوں کے فرائض کا تفصیلی ذکر ہے۔ [برنی صہ ۱۴۱ - ۱۴۴] وعظ میں سید مبارک الدین غزنوی نے کہا کہ بادشاہوں کے جو طور طریقے ہیں "جس طریقے سے وہ کھاتے ہیں۔ شراب پیتے ہیں۔ جو کپڑے پہنتے ہیں۔ جس طرح وہ اُٹھتے بیٹھتے اور سواری کرتے ہیں۔ تخت پر بیٹھ کر لوگوں کو اپنے سامنے بٹھاتے اور سجدے کراتے ہیں۔ خدا کے باغی قدیم ایرانی (اکاسرہ) حکمرانوں کے مراسم کی رعائت کرتے ہیں"۔ یہ دینِ مُصطفےٰ کے خلاف ہیں۔ بادشاہوں کی نجات اسی میں ہے کہ وہ اسلام کے لیے "دین پناہ" بنیں۔ اور اس کے چار لوازمات ہیں۔ اوّل یہ کہ اسلام کی محبت کو برقرار رکھیں۔ اور اپنے زور و قوت کو اعلائے کلمۃ الحق اور شعارِ اسلام کو بلند کرنے اور امرِ معروف و نہیِ مُنکر میں صرف کریں۔ دوسرے اُن پر فرض ہے کہ اہلِ اسلام اور اسلامی شہروں اور قصبوں کے درمیان، فسق و فجور اور گناہ و معصیت کو قہر و سطوت کے ذریعہ بالکل ختم کر دیں۔ تیسرے یہ کہ احکامِ دینِ محمدی کے اجرا کے لیے صرف اہلِ تقویٰ، زاہد، خدا ترس اور دیندار لوگ مقرر کیے جائیں۔ اور بد دیانت، دُنیا پرست لوگوں کے ہاتھ میں اختیار نہ دیا جائے۔ چوتھی ضرورت عدل و انصاف کی ہے۔ بادشاہ کی نجات اسی میں ہے کہ عدل و انصاف میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے۔ اور ظلم و تعدی اس کے مُلک میں بالکل نہ ہو۔

سید نورالدین مُبارک غزنوی کی وفات التمش کی وفات سے تھوڑا عرصہ پہلے ستمبر ۱۲۳۴ء میں ہوئی۔ حوضِ شمسی کے مشرق میں دفن ہوئے۔

صدرُ الصدُور قاضی منہاج سراج جرجانی

اس زمانے کا ایک قابلِ ذکر عالم جس کی زیادہ شہرت بطور ایک ادیب اور مورخ

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے ہے۔ لیکن جس نے وقت کے فقہی رجحانات پر بڑا اثر ڈالا۔ قاضی منہاج الدین بن قاضی سراج الدین بن منہاج الدین جُرجانی ہے۔ اس کا ستارہ التمش کی وفات کے بعد چمکا۔ لیکن عہدِ شمسی میں بھی وہ ذمہ دار عہدوں پر مامور رہا۔

منہاج کے آباؤ اجداد جُرجان کے رہنے والے تھے اور اپنے علم و فضل کی بدولت بڑا مرتبہ رکھتے تھے۔ اس کے دادا کے دادا امام عبدالخالق جُرجانی ایک خواب کے زیرِ اثر جُرجان چھوڑ کر غزنی آئے۔ یہاں ان کی شادی سلطان ابراہیم غزنوی کی بیٹی سے ہوئی۔ سلاطین غور بھی اس خاندان کے قدردان تھے۔ بلکہ ان سے بھی اس خاندان کی قرابت داری قائم ہوگئی۔ منہاج کے والد لاہور میں پیدا ہوئے۔ اور جب لاہور پر سلطان محمدؒ غوری کا قبضہ ہُوا تو اُس نے اُنھیں وہاں کا قاضی مقرر کیا۔ منہاج خود غوریوں کے دارالحکومت فیروزکوہ میں ۵۸۹ھ میں پیدا ہُوا۔ وہیں تعلیم پائی۔ اور پینتیس سال کی عمر میں چنگیز خاں کی تباہ کاریوں سے متاثر ہوکر برِصغیر کا رُخ کیا۔ وہ ۱۲۲۷ء میں اُچہ میں پہنچا اور ناصرالدین قباچہ نے اسے درسگاہِ فیروزی کا صدر معلم مقرر کیا۔ لیکن ایک ہی سال بعد التمش نے قباچہ کو شکست دی اور اُچہ اور ملتان پر قبضہ کرلیا۔ واپسی پر منہاج التمش کے ساتھ دہلی آگیا۔ چار سال بعد وہ گوالیار کے محاصرہ پر موجود تھا۔ گوالیار کی فتح کے بعد وہاں کا قاضی مقرر ہُوا۔ ۱۲۳۸ء میں وہ یہاں سے چلا آیا۔ ۱۲۴۱ء میں بہرام شاہ نے اسے شہر دہلی کا قاضی اور صدرالصدور مقرر کیا۔ لیکن بہرام شاہ کو تخت سے اُتار دیا گیا۔ اور منہاج الدین نے بھی اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔ اس کے بعد وہ دو تین سال لکھنوتی میں مقیم رہا اور جب ۱۲۴۴ء میں دہلی واپس آیا تو اسے مدرسۂ ناصریہ کا مہتمم اور جامع مسجد کا خطیب مقرر کیا گیا۔ ۱۲۴۷ء کے شروع میں سلطان ناصرالدین محمود تخت نشین ہُوا اور اب منہاج کا ستارہ پُوری درخشانی سے چمکنا شروع ہُوا۔ سلطان ناصرالدین محمود اور بلبن دونوں اس کے قدردان تھے۔ اور بالآخر انھوں نے اسے صدرِ جہاں کا خطاب دے کر تمام

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سلطنت کا قاضی مقرر کر دیا۔

منہاج نے اپنی کتاب طبقاتِ ناصری ۱۲۵۹ء سنہ ۱۲۶۰ء کے قریب ختم کی اور اسے سلطان ناصر الدین محمود (متوفی ۱۳۲۶ء) کے نام منسوب کیا۔ اس وقت اس کی عمر قریباً ستر سال کی تھی۔ اپنی کتاب میں جابجا اس نے اپنے متعلق تھوڑا بہت ذکر کیا ہے۔ لیکن سنہ ۱۲۶۰ء کے بعد اس کے متعلق کوئی اندراج نہیں ملتا۔ اور اس کی تاریخِ وفات کا بھی پتا نہیں۔

طبقاتِ ناصری دنیا کی عام تاریخ ہے جس کا ایک معقول حصہ ہندوستان کے متعلق ہے۔ اس میں سلاطینِ غزنہ سے لے کر سلطان ناصر الدین محمود کے زمانے تک کے حالات اور ان برگزیدہ امرا و حکام کا تذکرہ ہے جو ہندوستان کے مختلف مقامات پر متعین ہوئے۔

منہاج ایک بااثر خطیب اور واعظ بھی تھا۔ جب سلطان شمس الدین التمش کے عہدِ حکومت میں گوالیار کا محاصرہ ہوا تو مسلمانوں کو بڑی مشکلیں پیش آئیں۔ گوالیار کا راجا ایک بہادر اور تجربہ کار جرنیل تھا۔ قلعہ بڑا مضبوط اور اس کے اندر بڑا ساز و سامان جمع تھا۔ گیارہ ماہ تک محاصرہ جاری رہا۔ اس دوران میں علمائے اسلام (بحکمِ سلطانی) وعظ و تذکیر سے مجاہدانِ اسلام کا دل بڑھاتے تھے۔ چنانچہ منہاج سراج نے اس موقع پر ۹۵ مرتبہ وعظ کیا۔ بالآخر مسلمانوں کی ہمت اور استقلال کے سامنے راجے کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔ اور قلعہ فتح ہو گیا۔ اس طرح جب التمش کے بیٹے بہرام شاہ کے عہدِ حکومت میں ۱۲۴۱ء میں منگولوں نے لاہور پر حملہ کیا اور شہر فتح کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تو اس خبر سے دار الخلافہ میں بڑی تشویش پیدا ہوئی۔ چنانچہ قصرِ ابیض میں ایک عام جلسہ منعقد ہوا۔ اس میں منہاج نے ایک ولولہ انگیز تقریر کی جس سے بڑا جوش پیدا ہوا۔ اور جو لوگ بادشاہ سے بددل تھے انھوں نے بھی قومی خطرے کے مقابلے کے لیے از سرِ نو بادشاہ کی اطاعت کا حلف اٹھایا۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس زمانے میں وعظ و تذکیر کا عام رواج تھا۔ اور منہاج بڑے با اثر خطیبوں میں سے تھا۔ حضرت سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ میں ہر سوموار کو منہاج کا وعظ سننے جایا کرتا تھا۔ ایک روز اس نے یہ رباعی پڑھی ؎

لب بر لبِ لعلِ دلبراں خوش کردن
وآہنگِ سرِ زلف مشوش کردن
امروز خوش است لیک فردا خوش نیست
خود را چو خسے طعمۂ آتش کردن

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ یہ اشعار کچھ اس طرح پڑھے گئے کہ مجھ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ اور بڑی دیر تک میں بے خود رہا۔

منہاج فقط قاضی، مورخ، شاعر اور خطیب نہ تھا بلکہ اس کے خاندانی تعلقات، وسیع علمیت اور مذہبی رنگ نے اسے ایک ملکی اور سیاسی مدبر (Elder Statesman) کا درجہ دے دیا تھا۔ اور بعض موقعوں پر سلاطین و امرا نے اس سے سیاسی گتھیاں سلجھانے میں بھی مدد لی۔ مثلاً جب سلطان بہرام شاہ ابن التمش نے ایوب نامی ایک درویش کے کہنے پر ایک نامور فقیہ (قاضی شمس الدین) کو قتل کرا دیا اور وزیر سلطنت اور امرا اس کے مخالف ہو گئے تو اس نے منہاج کو، جسے اس نے قاضی القضاۃ مقرر کیا تھا۔ باغیوں کو سمجھانے کے لیے بھیجا (گو منہاج اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوا) اسی طرح جب بہرام کے بعد علاء الدین مسعود بن رکن الدین فیروز شاہ بادشاہ ہوا اور والیِ بنگالہ نے کڑہ مانکپور پر حملہ کیا تو منہاج کے سمجھانے بجھانے پر طغرل اور اس کے ساتھی بنگال واپس چلے گئے۔ اسی طرح اس نے ۶۴۲ھ میں طغرل حاکمِ بنگالہ کو اس امر پر آمادہ کیا کہ وہ بنگالے کی حکومت نئے بادشاہ کے نامزد گورنر کے حوالے کر دے۔

منہاج کی زندگی کے کئی پہلو تھے۔ آج زمانہ اسے زیادہ تر بطور ایک مورخ کے جانتا ہے۔ لیکن اپنی زندگی میں اس کی اصل اہمیت بطور ایک قاضی، عالم اور متکلم کے تھی۔ اس نے دینی اور فقہی مسائل پر کوئی تصنیف یادگار نہیں چھوڑی

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لیکن ان معاملات میں اس کا جو نقطۂ نظر تھا، اس کے متعلق نہایت ذمہ دار معاصرانہ شہادت موجود ہے۔ اور اس امر کا بھی صریح بیان ملتا ہے کہ اس کے نقطۂ نظر نے قومی زندگی کو متاثر کیا۔ اس زمانے میں سماع کا مسئلہ اربابِ شریعت اور صوفیہ کے درمیان ایک بُنیادی وجہِ اختلاف تھا، جس سے ایک اہل الرائے کے اسلوبِ خیال، مذاقِ طبیعت، شعر اور موسیقی سے دلچسپی، احتیاط و پابندی اور آزاد خیالی کا اندازہ ہوسکتا تھا۔ صوفیہ، بالخصوص حضراتِ چشت سماع کے دلدادہ تھے۔ لیکن اہلِ شریعت اس پر معترض تھے۔ منہاج، بطور قاضی ممالک اور صدر جہاں کے اہلِ شریعت کا امام تھا، لیکن اس کا جو رنگِ طبیعت تھا، اس کا بیان حضرت نظام الدین اولیاؒ کی زبانی سُنیے۔ فوائد الفواد میں جو ان کے ملفوظات کا مشہور مجموعہ اور فی الحقیقت اسلامی ہندوستان کی ابتدائی علمی اور روحانی تاریخ کا ایک بیش بہا مخزن ہے۔ منہاج کی نسبت ان کا بیان نقل ہُوا ہے۔ "کہ وہ صاحبِ ذوق مرد ہوگزرا ہے۔ ایک مرتبہ اسے شیخ بدرالدین غزنوی کے گھر بُلایا گیا۔ وہ دن سوموار کا تھا۔ اس نے کہلا بھیجا کہ جب میں وعظ سے فارغ ہوں گا تو آؤں گا۔ الغرض وعظ سے فارغ ہوکر حاضر ہُوا اور سماع شروع کیا تو دستار و جامہ سب کچھ پارہ پارہ کر ڈالا۔"

(صر ۱۵۵)

فوائد الفواد میں ہی ہے کہ کسی نے قاضی منہاج الدین سراج سے کہا کہ تم قضا کے لائق نہیں۔ ہاں، اس قابل ہو کہ شیخ الاسلام (یعنی صوفیہ کے سرگروہ) بنائے جاؤ۔ (صر ۲۰۵-۲۰۶) لیکن علم و فضل اور دماغی قابلیت نے منہاج کو قضائے مملکت کی مسند پر بٹھا دیا تھا۔ اس سے ان کی اُفتادِ طبع نہ بدل سکتی تھی۔ البتہ یہ نتیجہ ہُوا کہ دارالقضا کے فیصلوں میں ایک آزاد خیالی آگئی۔ بلکہ حضرت نظام الدین تو بالوضاحت کہتے ہیں کہ دہلی میں سماع کے رائج ہونے کے جو دو اشخاص ذمہ دار ہیں، ان میں سے ایک قاضی منہاج الدین تھے —

"فرمایا کہ اِس شہر میں سماع کا سکہ قاضی حمید الدین ناگوریؒ نے جمایا تھا۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور قاضی منہاج الدین نے جو قاضیٔ وقت اور سماع کا دلدادہ تھا۔ ان دونوں کی وجہ سے یہ عمل مستحکم ہوگیا۔" (ص ۱۹۵) قاضی حمیدالدین نے سماع کی خاطر مباحثے بھی کئے۔ اور اس کے وہ پُرجوش حامی تھے۔ لیکن وہ قاضیِ ممالک نہ تھے۔ منہاج تھا۔ جس کی خاموش حمائت سے بھی سماع کو بے انتہا سہارا ملتا تھا۔

منہاج سراج فقط ایک "صاحبِ ذوق" مردِ اور سماع کا دلدادہ نہ تھا بلکہ وہ ایک تجربہ کار اور وسیع النظر انسان اور امورِ ملکی میں پوری دسترس رکھنے والا مدبر تھا۔ اس کی اُفتادِ طبع، عملی سوجھ بوجھ اور وسیع النظری کی بدولت دارالقضا کے طریق کار میں بھی ایک آزاد خیالی اور وسعتِ نگاہ آگئی، جو شدید مخالفتوں کے باوجود اسلامی ہندوستان کی فقہی روایات کا ایک اہم عنصر رہی ہے۔

طبقاتِ ناصری کے مطالعہ سے خیال ہوتا ہے کہ منہاج کے کئی بااثر مخالف تھے۔ ایک حد تک تو یہ مخالفتیں سیاسی تھیں۔ اس نے اپنے تئیں جلد بلبن سے وابستہ کرلیا تھا۔ (اور یہ انتخاب ہی اس کی معاملہ فہمی کی دلیل ہے) لیکن بلبن کے مخالف اب اس کے بھی مخالف تھے۔ اس کے علاوہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض مذہبی حلقوں میں بھی اس کی شدید مخالفت تھی۔ ایک مرتبہ تو عین جامع مسجد میں بعد نمازِ جمعہ اس کی جان لینے کی کوشش کی گئی۔ اس میں ایک حد تک تو مخالف وزیر کے ساتھیوں کا ہاتھ تھا۔ لیکن منہاج صراحت کرتا ہے کہ ان کے ساتھ اس کے ہم پیشہ علما بھی تھے۔ عین صحنِ مسجد میں اس پر تلوار سے حملہ کیا گیا۔ لیکن منہاج بھی کچھ کچی گولیاں نہ کھیلا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ بفضلِ الٰہی میرے پاس بھی ایک چھُرا (کارد) اور عصا تھا۔ وہ مقابلے کے لیے اُٹھایا۔ اس کے علاوہ کئی مسلح غلام ہمراہ تھے۔ اس لیے کوئی گزند نہ پہنچا۔

منہاج نے طبقاتِ ناصری میں اپنے بزرگوں کے متعلق چند سطور لکھی ہیں۔ اور اپنے متعلق بھی بعض جزوی واقعات بیان کیے ہیں، لیکن اس نے اپنی اصل شخصیت پر ایک پردہ ڈال رکھا ہے۔ اس کی اپنی طبیعت کا جو صوفیانہ رنگ تھا،

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وہ فوائد الفواد سے ظاہر ہے، لیکن اس نے طبقاتِ ناصری میں (برنی، فرشتہ اور دوسرے مورخین کی طرح) کسی صوفی بزرگ کا تذکرہ نہیں لکھا۔ (چنانچہ گلزارِ ابرار میں اس بات کی شکایت ہے۔ کہ اس نے مشائخِ زمانہ کو قطعی یاد نہ کیا)۔ اس کی صحیح شخصیت اور کارناموں کا پُورا اندازہ طبقاتِ ناصری سے نہیں ہوتا۔ ابتدائی دور میں اس کا مرتبہ بڑا بلند تھا۔ ہماری فقہی روایات کا سنگِ بُنیاد رکھنے میں اس کا بڑا ہاتھ تھا۔ قیامِ حکومتِ اسلامی کی پہلی نصف صدی کا اصل مورخ وہی ہے۔ پس پردہ جو کام اس نے کیا۔ اس کی نسبت فقط قیاس ہی ہمارا راہنما ہے۔ لیکن اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ وہ اس اہم دَور کی سب سے جلیل القدر ہستیوں میں سے تھا۔ اور شاید اسے التمش، نظام الملک جنیدی کی طرح حکومتِ اسلامی کے ابتدائی معماروں یا Founding Fathers میں سے سمجھنا چاہیے۔

دارالقضا میں معاملہ فہمی، حقیقت پسندی اور ایک فعّال طریقِ کار کی جو روایات منہاج نے قائم کیں، انھیں اس کے نواسے صدرالدین عارف نے نباہا، جو ایک مُدّت تک قاضی ممالک کا نائب رہا۔ اور جسے علاءالدین خلجی نے تخت نشین ہونے کے بعد قضائے مملکت کی مسند سپرد کی۔ برنی لکھتا ہے کہ اگرچہ وہ علوم میں بے نظیر نہ تھا، لیکن مضبُوط کیرکٹر کا حامل تھا۔ اور شہر والوں کے مزاج سے اس طرح واقف تھا کہ شہر کے چالاک اچکّوں اور حیلہ گروں کو ہمّت نہ پڑتی تھی کہ اس کے سامنے مکروفریب چلائیں۔ "دیوانِ قضا بہ صدرِ جہانی او رونق گرفتہ بود"

(ص ۳۵۱)

مولنا برہان الدین بلخی
۱۲۸۸ء

منہاج سراج اور قاضی صدرالدین عارف قضا کی بلند ترین مسند پر بیٹھے۔ ان کی پالیسی اور طریقِ کار نے فقہی روایات پر اثر ڈالا۔ لیکن علمِ فقہ کی تعلیم و تدریس کی بُنیاد اور اس سرزمین کی قانونِ اسلامی کی سب سے زیادہ رائج کتاب ہدایہ کو فروغ دینے کا شرف اس زمانے کے ایک اور عالم کو حاصل ہُوا۔ جن کا نام مولنا برہان الدین تھا۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولنا برہان الدین محمود بن ابوالخیر السعد بلخی، جو خالص مذہبی علوم میں منہاج سراج سے بہت بڑھے ہوئے تھے، بلخ میں پیدا ہوئے۔ فقہ ہدایہ کے مصنف شیخ برہان الدین مرغینانی سے پڑھی۔ اور آپ ہی کا اثر تھا کہ ہدایہ اسلامی ہندوستان میں فقہ کی سب سے اہم اور اساسی کتاب ہوگئی۔

حدیث میں بھی آپ کا اُستاد ایک امام فن تھا۔ یعنی امام حسن صنعانی لاہوریؒ۔ آپ نے ان سے مشارق الانوار کی سند حاصل کی۔ پھر ہندوستان میں تشریف لائے۔ اور دہلی میں مشارق الانوار کا درس شروع کیا۔ جس سے اس کتاب کو درسِ حدیث میں ایک مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی۔

ہدایہ کے مصنف نے آپ کو کم عمری کے زمانے میں دیکھا تھا۔ لیکن انھوں نے پیشین گوئی کی "ایں کودک چناں شود۔ کہ بادشاہاں بر درِ او بیایند"[1]۔ چنانچہ یہی ہوا۔ برنی لکھتا ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد بلبن پورے کوکبۂ شاہی کے ساتھ مولنا برہان الدین بلخی کے گھر پر جاتا۔ ان کی تعظیم و توقیر بجالاتا۔

حدیث میں آپ کے سب سے مشہور شاگرد علامہ کمال الدین زاہد تھے۔ جنھوں نے مشارق الانوار کی تحصیل آپ سے کی۔ اور پھر اس کا درس شروع کیا۔ ان کے فخرِ اُستاد شاگرد حضرت نظام الدین اولیا تھے، جنھوں نے آپ سے مشارق الانوار پڑھی۔ بلبن نے علامہ کمال الدین زاہد کو اپنا امام بنانا چاہا۔ لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔

مولنا برہان الدین محمود بلخی کی شہرت ابتدائی دَور کے سب سے بڑے عالم[2] کے طور پر دیر تک قائم رہی۔ ان کی وفات ۶۸۷ھ/۱۲۸۸ء میں ہوئی۔ مزار حوضِ شمسی کے کنارے

---

[1] فوائد الفواد صر ۱۹۴

[2] مولنا عبدالحی بھی نزہت الخواطر میں لکھتے ہیں کہ اس زمانے میں ہندوستان میں ان سے بڑا عالم کوئی دوسرا نہ تھا۔ نزہت الخواطر جلد ۱۔ صر ۲۳

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ایک پُرفضا مقام پر ہے۔ شیخ عبدالحق محدث تین سو سال بعد لکھتے ہیں کہ لوگ ان کے مزار کی خاک لڑکوں کو اس لیے کھلاتے ہیں کہ ان پر علم و فضل کے دروازے کھل جائیں!

مولنا برہان الدین بلخی اپنے وقت کے سب سے زبردست عالم تھے۔ فقیہ اور محدث تھے۔ لیکن اس سرزمین اور ابتدائی دور کی روایات کا اثر دیکھیے کہ سماع کے معاملے میں وہ بھی آزاد خیال تھے۔ فوائد الفواد میں حضرت سلطان المشائخ کا ارشاد درج ہے "کہ مولنا برہان الدین بلخی عالم بھی تھے اور صالح بھی۔ چنانچہ آپ بارہا فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالےٰ مجھ سے کسی کبیرہ کی نسبت باز پُرس نہیں کرے گا۔ سوائے ایک کبیرہ کے۔ مولنا سے پُوچھا گیا کہ وہ کونسا کبیرہ ہے۔ فرمایا: سماع۔ جو میں نے سُنا بھی ہے اور اب بھی سُنتا ہوں"!

توسیع علم مولنا برہان الدین بلخی کو فروغ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں ہوا۔ یہ زمانہ تعلیم و تعلّم کی توسیع اور علمِ فقہ کی ترویج کے لیے خاص طور پر سازگار تھا۔ اسلامی ممالک میں ہلاکو خاں نے تاراج و غارت اور کُشت و خون میں چنگیز خاں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ خود بغداد کی تباہی اس کے زمانے میں ہوئی۔ ان ممالک سے بے شمار علما و فضلا جان بچا کر ہندوستان آئے۔ بلبن نے ان کا بڑا احترام کیا۔ اور ان کے درس و تدریس کے لیے آسانیاں پہنچائیں۔ عہدِ بلبن میں فقہا کی کثرت تھی۔ جن میں سراج الدین ابوظفر سنجری، مولنا شرف الدین دلوالجی، مولنا برہان الدین بزاز، قاضی جلال الدین کاشانی، قاضی رکن الدین سالونوی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ فقہ پر اسلامی ہندوستان کی پہلی تصنیف بھی اسی زمانے سے متعلق ہے۔

فقہا کے علاوہ اور کئی مقتدر علما تھے۔ مثلاً علامہ نجم الدین، عبدالعزیز بن محمد دمشقی، جو امام فخرالدین رازی کے شاگرد اور فلسفہ کے بہت بڑے عالم تھے۔ سلطان بلبن ان کی بھی بڑی تعظیم کرتا تھا۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ایک مشہور عالم شیخ شمس الدین خوارزمی تھے۔ جن کی نسبت سیر العارفین کا مؤلف لکھتا ہے "دہلی کے اندر فقرا اور عامل بے شمار تھے۔ لیکن سرآمد روزگار اور اجلۂ علمائے کبار شمس الدین خوارزمی تھے۔ جن سے تمام علمائے شہر رجوع کرتے۔ وہ علم اصول و فروع کے جامع اور معقول و منقول میں بے نظیر تھے"۔ (ترجمہ از سیر الاولیا ص ۵۹-۶۰)

ان کے سب سے مشہور شاگرد حضرت نظام الدین اولیا تھے۔ وہ اپنے شاگردوں کو بڑی محبت سے تعلیم دیتے۔ اگر کسی شاگرد کا ناغہ ہو جاتا اور وہ ناغے کے بعد آتا تو مذاقاً پوچھتے کہ میں نے تمھاری کیا خطا کی ہے۔ جو تم درس سے غیر حاضر تھے!

اس عہد میں کلام مجید اور حدیث پر کافی توجہ تھی۔ تفسیر میں کشاف، ایجاز اور عمدہ کے نام آتے ہیں۔ حدیث میں مشارق الانوار اور ادب میں مقامات حریری بہت مقبول تھیں۔ فقہ میں ہدایہ کا دور دورہ تھا۔ یہ تمام نام فوائد الفواد میں موجود ہیں۔ مصباح الدجیٰ (حدیث) کا بھی اس میں ذکر ہے۔ بعد میں ان کتابوں میں اضافہ ہو گیا۔ حضرت نظام الدین اولیا کے آخری ایام میں جن کتابوں کا ذکر ہے، ان میں بزودی (اصول فقہ) قدوری اور مجمع البحرین (فقہ) اور کافیہ اور مفصل (نحو) کے نام آتے ہیں۔ تصوف کے سلسلے میں برنی متعدد کتب کا نام لیتا ہے۔ جن میں احیاء العلوم، عوارف المعارف، کشف المحجوب، قوت القلوب، رسالہ قشیری، مرصاد العباد، لوائح، لوامع (از قاضی حمید الدین ناگوری) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

خاندانِ خلجی

خاندانِ غلامان کے زمانے میں اسلامی حکومت شمالی ہندوستان تک محدود تھی۔ دکن تک ابھی کوئی مسلمان بادشاہ نہ پہنچا تھا اور گجرات اور مالوہ کے راجے خود مختار تھے۔ خلجیوں نے اسلامی حکومت دکن تک پہنچا دی۔ اس خاندان کا پہلا بادشاہ جلال الدین خلجی رحم دل، سادہ اور انتہا درجے کا متحمل مزاج تھا۔ نیرنگی روزگار نے اسے عین بڑھاپے میں تخت شاہی پر لا بٹھایا۔ اب تک اس نے جنگ و جدل میں پورا حصہ لیا تھا۔ لیکن تخت شاہی پر پہنچ کر اس کی طبیعت میں انقلاب آ گیا۔ اور لڑائی بھڑائی سے سخت نفرت

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہوگئی۔ جب اسے پہلی دفعہ شاہی محل میں لے گئے تو وہ پرانے بادشاہوں کو یاد کرکے بچوں کی طرح زار زار رونے لگا۔ اس کے عہدِ حکومت میں سلطان غیاث الدین بلبن کے بھتیجے ملک چھجو نے چند دوسرے امرا کے ساتھ مل کر بادشاہ کے خلاف بغاوت کی اور شکست کھا کر گرفتار ہوا۔ جب وہ دربار میں پیش ہوا تو بادشاہ نے ملک چھجو کی پوری تعظیم و تکریم کی اور اسے ملتان کے جاگیردار کے پاس یہ حکم دے کر بھیجا کہ ملک چھجو کو مع اہل و عیال ایک شاندار مکان میں اُتارو۔ سامانِ عیش و عشرت جس کی وہ خواہش کرے مہیا کرو۔ خلجی اُمرا کو یہ طرزِ عمل سخت ناگوار گزرا۔ انھوں نے بادشاہ سے کہا کہ یہ لوگ باغی ہیں اور واجب القتل۔ انھیں ان کے جرم کی پوری سزا دینی چاہیے۔ اگر خدانخواستہ وہ کامیاب ہو جاتے تو خلجیوں کا نام صفحۂ زمین سے نیست و نابود کر دیتے۔ اگر انھیں سزا نہ دی گئی تو دوسرے لوگ بھی دلیر ہو جائیں گے۔ اور سلطنت میں فتنہ و فساد کا دروازہ کھل جائے گا۔ سلطان نے جواب دیا کہ تم کہتے سچ ہو اور اصولِ جہانداری کا ایسا ہی ہے۔ لیکن میں کیا کروں میں نے ستر سال ایک مسلمان کی طرح زندگی گزاری ہے اور کسی مسلمان کا خون نہیں بہایا۔ اب میں نہیں چاہتا کہ اخیر عمر میں مسلمانوں کو قتل کراؤں۔ اس کے علاوہ مجھے یہ بھی خیال ہے کہ میں سلطان بلبن کا نوکر تھا۔ اس کے مجھ پر بڑے حقوق ہیں۔ آج میں اس کے تخت پر بیٹھا ہوں۔ اگر اب میں اس کے عزیزوں کو تہ تیغ کروں تو یہ بڑی بے مروتی اور بے انصافی ہوگی۔

بادشاہ کی درویشانہ طبیعت اور حلم و بے آزاری کے بعض لوگ مداح تھے۔ لیکن ان سے امورِ ملکی میں خلل پڑنا شروع ہو گیا۔ چنانچہ جب بادشاہ کی نرم دلی کی شہرت عام ہوئی تو ملک بھر میں چوروں، رہزنوں اور ڈاکوؤں نے سر اُٹھا کر فتنہ و فساد شروع کیا۔ جب وہ گرفتار ہو کر بادشاہ کے سامنے آتے تو بادشاہ انھیں پیروں اور مشائخوں کی طرح وعظ و تلقین کے بعد چوری اور دوسرے اعمالِ ناشائستہ سے توبہ کروا کے رہا کر دیتا اور وہ واپس جا کر پھر نئے سرے سے

لے ملک چھجو کا مزار شیخ بہاء الدین زکریا کے احاطۂ خانقاہ میں ہے۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لُوٹ مار کا بازار گرم کرتے۔ بادشاہ کہا کرتا تھا کہ مَیں نے لڑائیاں لڑی ہیں اور میدان میں بڑا کُشت و خون گوارا کر سکتا ہوں لیکن جو شخص دست و پا گرفتہ میرے سامنے آئے اُسے قتل کرنے کی مجھے ہمت نہیں پڑتی۔ اس کے امیر اور ارا کین یہ باتیں دیکھتے تھے اور حیران ہوتے تھے۔ بلکہ اُمرا نے عام طور پر یہ کہنا شروع کر دیا کہ بادشاہ امورِ جہانداری سے ناواقف ہے۔ حکما نے کہا ہے کہ بادشاہت کے دو رُکن ہیں۔ ایک لُطف اور دُوسرا قہر۔ اگر ان دونوں میں سے کسی ایک میں خلل پڑے تو حکومت کو زوال آجاتا ہے ؎

تحمّل دِلکش است امّا نہ چنداں
شکیبائی خوش است امّا نہ چنداں

چنانچہ بادشاہ کے خلاف جگہ جگہ سازشیں شروع ہوئیں اور خلجی اُمرا یہ کہنے لگے کہ اب بادشاہ سترا بہترا ہو گیا ہے اور حکومت کے ناقابل ہے۔ بہتر ہے کہ اسے معزُول کیا جائے اور اس کی جگہ کوئی دُوسرا موزوں شخص تخت نشین ہو۔

سیدی مولہ

اس دوران میں سیدی مولہ کے قتل کا واقعہ پیش آیا جس نے حالات کو اُور بھی پراگندہ کر دیا۔ قدرت کی یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ ایک ایسا بادشاہ جو ایک چیونٹی کو بھی پاؤں تلے روند نا پسند نہ کرتا تھا اور بڑا درویش طبع اور درویش نواز تھا ایک فقیر کی ظالمانہ موت کا باعث ہُوا۔ سیدی مولہ ایک ایرانی النسل درویش تھا جو جُرجان سے ہندوستان کی سمت وارد ہُوا۔ پہلے اجودھن میں جا کر حضرت شیخ فرید گنج شکرؒ کی صحبت اختیار کی اور پھر چند روز کے بعد دہلی روانہ ہُوا۔ رخصت کے وقت حضرت گنج شکرؒ نے اسے کہا کہ تم دہلی جا کر خلقت سے آمد و رفت رکھو' اس سے مَیں مانع نہیں۔ لیکن بادشاہ اور اُمرا اور مقربانِ شاہ سے اختلاط نہ رکھنا کہ اس جماعت کی صحبت فقراء کے لیے ہلاکت کا باعث ہوتی ہے۔ دہلی پہنچ کر سیدی مولہ نے ایک بڑی خانقاہ تعمیر کی۔ اور بھاری لنگر جاری کیا۔ سینکڑوں بلکہ ہزاروں لوگ اس خانقاہ میں کھانے اور

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دوسری ضروریات کے لیے آتے ۔ اور کوئی بھی محروم نہ جاتا۔ چونکہ سیدی مولہ کی آمدنی کا کوئی ظاہری ذریعہ نہ تھا۔ اس لیے لوگ کہتے تھے کہ وہ علم کیمیا جانتا ہے اور اس کی مدد سے اپنی ضروریات کی تکمیل کرتا ہے۔ وہ دہلی میں سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے میں آیا تھا اور خلجیوں کے آغازِ حکومت تک اس کا اثر بہت بڑھ گیا۔ اس وقت اس نے حضرت گنج شکرؒ کی نصیحت بھلا دی۔ بادشاہ کا بڑا بیٹا خان خاناں خود اس کا مُرید اور مُعتقد ہو گیا اور کئی ایسے امراء جو خاندانِ غلامان کے زمانے میں برسرِ اقتدار تھے اور خلجیوں کے عہدِ حکومت میں اپنی جاگیریں کھو بیٹھے تھے۔ اس کی خانقاہ میں آکر مقیم ہو گئے۔ لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ سیدی مولہ ان امرا کی مدد سے تاج و تخت حاصل کرنے کا خواہاں ہے۔ فرشتہ کا بیان ہے کہ قاضی جلال الدین کاشانی (خلیفہ حضرت سلطان المشائخ) نے سیدی مولہ کو بہکانا شروع کیا کہ خدا نے اتنی قدرت تمھیں اس لیے کرامت فرمائی ہے کہ بادشاہی ظالموں کے ہاتھ سے لوگوں کو نجات دلا کر خود شریعت کا جھنڈا سربلند کرو۔ سیدی مولہ پر بھی اس ترغیب و تلقین کا اثر ہُوا اور اس نے اپنے مُریدوں کو خطاب و منصب دے کر ان کی تنظیم شروع کی۔

جب بادشاہ ان امور سے آگاہ ہُوا تو اُس نے قاضی جلال الدین کاشانی، سیدی مولہ اور اس کے مُعتقد بلبنی امرا کو بُلا بھیجا اور پُرسانِ حال ہُوا۔ انھوں نے بالاتفاق اپنی بے گناہی کا اظہار کیا۔ لیکن بادشاہ قائل نہ ہُوا۔ اور صحرائے بہادر پور میں ایک آتشِ عظیم جلائی گئی۔ جس کے شعلے آسمان تک پہنچتے تھے۔ اور سیدی مولہ اور اس کے رفقا سے کہا گیا کہ اس آتش کے اندر چلو۔ اگر تمھارا بیان سچ ہے تو تمھیں کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔ اور اگر تمھارا بیان غلط ہے تو تمھیں جُرم کی سزا ملے گی۔ لیکن علما نے اس طریقِ کار کی مخالفت کی اور کہا کہ آگ بالطبع ایک جلانے والی چیز ہے۔ راست گو اور دروغ گو دونوں کو یکساں جلائے گی۔ یہ امر شریعتِ محمدیہ کے قطعاً خلاف ہے کہ آتشِ سوزندہ کے ساتھ مقدمات فیصل کیے جائیں۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس پر بادشاہ اس فیصلے سے باز آیا۔ قاضی جلال الدین کاشانی کو بدایوں کی قضا پر بھیج دیا اور دوسرے امرا کو ملک بدر کرنے کا حکم دیا۔ اور خود سیدی مولہ کی طرف متوجہ ہُوا۔ بادشاہ نے اس سے کئی سوال کیے اور اس نے ان کے جواب دیے کہ اتنے میں بادشاہ نے شیخ ابوبکر طوسی حیدری سے، جو قلندرانِ حیدری کا سرگروہ تھا کہا "اے درویشان دادِ من ازیں ظالم بستانید" اس پر ایک قلندر اُٹھا اور اس نے سیدی مولہ پر کئی وار کرکے اسے مجروح کیا۔ بادشاہ سیدی مولہ کے قتل کے متعلق متامل تھا کہ اتنے میں اس کے دوسرے بیٹے ارکلیخان نے اپنے فیلبان کو حکم دیا کہ سیدی مولہ پر ہاتھی دوڑا کر اس کا کام تمام کردو۔ چنانچہ اس طرح سیدی مولہ کا خاتمہ ہُوا۔

ضیاء الدین برنی جو اس روز دہلی میں تھا کہتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد ایک سیاہ آندھی اُٹھی جس سے تمام جہان تیرہ و تار ہوگیا۔ اور سیدی مولہ کے قتل کے بعد جلال الدین کی سلطنت درہم برہم ہوگئی۔ اور اس زمانے میں ایسا قحط پڑا کہ کتنوں نے بھوک سے بیتاب ہوکر اپنے تئیں اور اپنے بچوں کو دریائے جمنا میں ڈال کر خودکشی کرلی (تاریخ فیروز شاہی ص ۲۱۲) لوگوں نے خیال کیا کہ یہ کرشمہ ایک خدارسیدہ انسان کے بے گناہ قتل کی وجہ سے ظہور میں آیا ہے اور بادشاہ جو طبعاً نرم دل بلکہ کمزور دل اور درویشوں کا معتقد تھا۔ اس کی وجہ سے خود سیدی مولا کا قائل ہوگیا۔ [اخبار الاخیار ص ۳۷]

ملک چھجو کے ساتھیوں کے ساتھ سلطان جلال الدین خلجی نے جو رحمدلی کی تھی وہ اسے خاص طور پر مہنگی پڑی۔ سلطان نے چھجو اور اس کے اقارب کو تو ملتان بھیج دیا اور جو لوگ بغاوت میں اس کے شریک ہوئے تھے، انھیں آزاد کردیا۔ وہ لوگ آزاد ہوکر علاء الدین خلجی کے پاس جو ملک چھجو کی جگہ اضلاع شرقی (کڑہ) کا گورنر مقرر ہُوا تھا، ملازم ہوگئے۔ انھوں نے علاء الدین کو بہکانا شروع کیا کہ اضلاع شرقی کے گورنر کے پاس بڑی فوج ہوتی ہے۔ اگر وہ کہیں سے

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

زرِ وافر حاصل کر لے جس سے خلقت کے دل خرید ے جا سکیں تو اس کے لیے دہلی پر قبضہ پانا کوئی مشکل نہیں۔ علاء الدین سلطان جلال الدین خلجی کا بھتیجا اور داماد تھا لیکن ساس اور بیوی کی بدسلوکی[1] سے اس کا ناک میں دم تھا۔ اور روز کے جھگڑوں سے تنگ آ کر وہ چاہتا تھا کہ مُلک کو چھوڑ کر کہیں چلا جائے۔ وہ ان مشوروں کا آسانی سے شکار ہو گیا[2]۔

اس نے سات سو سواروں کا ایک دستہ فراہم کیا اور اسے لے کر وسطی ہند کے دشوار گزار جنگلوں اور بندھیاچل کی پہاڑیوں کو جن کے پار جانے کی ابھی تک کسی مسلمان سپہ سالار کو ہمت نہ ہوئی تھی، عبور کیا۔ دکن میں دیوگری (دولت آباد)

---

[1] سلطان علاء الدین از ملکۂ جہاں کہ زنِ سلطان جلال الدین و خشوی او بود آزارِ بسیار داشت و از مخالفتِ حرم خود کہ دخترِ سلطان جلال الدین بود بجاں رسیدہ و از خوفِ قصدِ ملکۂ جہاں کہ بر سلطان جلال الدین بہ غایت مستولی بود۔ و از حشمت و عظمت سلطان جلال الدین نمی توانست کہ مخالفت و بے نوائی حرم خود پیش سلطان عرض دارد و از ترسِ فضیحت و رسوائی نمی توانست کہ کیفیت درماندگی خود پیش دیگرے کشف کند و دائماً در اندوہ و کاہش مے بود و در گرہ با محرمان خود مشورت کردے و خواستے کہ سر در جہان گیرد و در دیارِ دیگر سر بر اندازد۔"

(تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی صر ۲۲۱)

عصامی لکھتا ہے ؎

شنیدم ہماں دختِ شاہِ جہاں | کہ بود است در حکمِ آں پہلواں
براندے بر اں فخرِ آزادگاں | جفائے بر آئینِ شہزادگاں
براندازِ خوش گفت آں مردِ راہ | کہ "پورِ گدا بہ ز دامادِ شاہ"

[2] بقول مولانا مناظر احسن گیلانی "خانگی تلخیوں کے مٹانے کی کوئی تدبیر اب اس (علاء الدین) کے سامنے نہ تھی۔ بجز اس کے کہ اس نمک حرامی اور سنگدلی پر آمادہ ہو جائے، جس کا ذکر عام تاریخوں میں ہے۔" (ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت جلد ثانی صر ۱۹۲)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ایک نہایت مستحکم قلعہ تھا، جس میں بے شمار دولت جمع تھی۔ علاء الدین اور اس کے من چلے ہمراہیوں نے چالاکی اور حسن تدبیر سے اس قلعے پر قبضہ کر لیا۔ اور بے شمار مال و دولت لے کر واپس ہوئے۔ کڑہ پہنچ کر علاء الدین نے مکر و فریب سے اپنے چچا کو بلایا۔ جلال الدین خلجی کے درباریوں نے اسے دعوت کے رد کرنے اور علاء الدین سے بلا اجازت دیوگری جانے کے لیے سخت باز پرس کرنے کا مشورہ دیا۔ لیکن جلال الدین جو بہت سی خوبیوں کے ساتھ ساتھ بے انتہا طامع بھی تھا، دیوگری کا مال غنیمت حاصل کرنے کی ہوس میں کڑہ روانہ ہوا۔ اور بھتیجے کے ایما سے قتل ہوا۔

سکندر ثانی سلطان علاء الدین خلجی

علاء الدین کی تند مزاجی

ہم جلال الدین خلجی کی نرم مزاجی اور حلم و تحمل کا ذکر کر چکے ہیں۔ اس کا جانشین علاء الدین خلجی اس معاملے میں اس کی عین ضد تھا۔ وہ اپنے چچا کے عہد حکومت میں دیکھ چکا تھا کہ ایک بادشاہ کی نرم دلی سے تمام ملکی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے اور ہر کہ و مہ تخت شاہی کے خواب دیکھنے شروع کر دیتا ہے۔ اس نے جلال الدین کے طریق کار کو بالکل بدل دیا اور اپنے دشمنوں اور باغیوں کو وہ عبرت ناک سزائیں دیں کہ بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ جب جالور (راجپوتانہ) میں اس کے

لہ ضیاء الدین برنی نے نیرنگیٔ روزگار کا تماشہ دکھانے اور بے علم علاء الدین خلجی کی سفاکیاں نمایاں کرنے کے لیے جلال الدین کے قتل کا واقعہ بڑی تفصیل سے اور بالکل ایک ڈرامائی انداز میں لکھا ہے اور علاء الدین کی سیہ کاری کو خوب خوب نمایاں کیا ہے۔ لیکن اسے بھی ماننا پڑا ہے کہ جلال الدین کڑہ اس لیے گیا کہ اس کی آنکھوں پر حرص زر نے پٹی باندھ رکھی تھی لکھتا ہے: "سلطان جلال الدین از طمع مال و پیل کور و کر گشتہ" (ص ۲۳۰)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بعض سپاہیوں نے سپہ سالار ملک نصرت خاں کے خلاف بغاوت کی اور سپہ سالار کے بھائی ملک اعزالدین کو قتل کر دیا تو علاءالدین نے نہ صرف ان باغیوں کو قرار واقعی سزا دی بلکہ ان کے بچوں اور بیویوں کو بھی قید کرنے کا حکم دیا۔ برنی لکھتا ہے کہ سلطنت دہلی میں یہ پہلا[1] موقع تھا کہ کسی کے جرم کے لیے اس کی اولاد اور متعلقین سے مواخذہ کیا گیا ہو۔ (ص ۲۵۳)

علاءالدین کی درشت مزاجی کی ایک اور مثال مغل نومسلموں کا قتل ہے۔ یہ لوگ جلال الدین خلجی کے عہدِ حکومت میں (۶۹۱ھ) ہندوستان آئے تھے۔ اور اس کے ہاتھوں شکست کھائی تھی۔ جلال الدین نے فتح کے بعد ان سے مہربانی کا سلوک کیا۔ کچھ لوگ تو صلح صفائی کے ساتھ "بعد ارسال تحف و ہدایاے طرفین واپس پلٹ گئے" لیکن چنگیز خاں کا نواسہ الغو خان اور چار ہزار مغل اپنے بیوی بچوں کے ساتھ مسلمان ہو گئے اور یہیں بس گئے۔ سلطان جلال الدین نے خود اپنی بیٹی الغو خاں سے بیاہ دی۔ ان لوگوں کو "نو مسلم" کہتے تھے۔ علاءالدین کے زمانے میں بعض نومسلموں نے باغیوں کا ساتھ دیا اور ایک دفعہ سلطان کو خبر ملی کہ بعض نومسلم اسے شکار گاہ میں ہلاک کرنے کی سازش کر رہے ہیں۔ اس نے فوراً حکم دیا کہ اس کی سلطنت میں جہاں کہیں کوئی نومسلم ملے، اسے قتل کر دیا جائے اور اس کی ساری جائداد اس کے قاتل کے حوالے ہو۔ اب لوگوں نے نہ صرف احکامِ سلطانی کی تعمیل کے لیے بلکہ جائداد کی طمع میں نومسلموں کو قتل کرنا شروع کیا۔ حتیٰ کہ ان کا نام و نشان صفحۂ دنیا سے مٹ گیا۔

---

[1] لیکن ریاض السلاطین (تاریخ بنگالہ) کے مصنف کا بیان ہے کہ بلبن کے عہدِ حکومت میں بنگالہ میں بغاوت ہوئی تو بلبن نے باغی سردار طغرل کے اعوان و انصار کے عزیز و اقارب کو سزا دی "و زنان و فرزندان ایشاں را بالشہر لکھنوتی بقتل رسانیدند۔ تا آں زماں احدے از پادشاہان دہلی زناں و فرزندان مردم گنہگار را دہ گشتہ بود" (ص ۸۲)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سلطان علاء الدین خلجی کی تند خوئی کی کئی اور مثالیں گنائی جا سکتی ہیں۔ لیکن ان خصلتوں کا ظہور عموماً اس وقت ہوتا جب کوئی بادشاہ کی مخالفت کرتا اور ملک میں فساد ڈالنا چاہتا۔ سلطان میں اعلےٰ حکمرانوں کی خوبیاں بھی کئی تھیں اور تختِ دہلی پر بہت تھوڑے بادشاہ ایسے ہوئے ہوں گے جو اس کی طرح اولوالعزم، محنتی اور صاحبِ تدبیر ہوں۔ اس کی فتوحات کی تفصیلات بتانا سعیِ لاحاصل سے زیادہ نہیں۔ ہندوستان کا جس قدر علاقہ اس کے زیرِ نگیں تھا۔ برطانوی حکومت سے پہلے کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ لیکن علاء الدین فقط ایک بہادر سپہ سالار اور کامیاب فاتح ہی نہ تھا بلکہ نظم و نسق کا بھی اسے بڑا ملکہ تھا اور اکثر معاملات میں وہ بالآخر صائب رائے ہی اختیار کرتا۔ اس کی انتظامی قابلیت اور مدبرانہ کوششوں کی بہترین مثال اصلاحوں[1] کا وہ گورکھ دھندا ہے، جو اس نے اجناس کی قیمتوں کو کم کرنے، ملکی شورشوں کی پیش بندی اور اندرونی حالات کو ٹھیک رکھنے کے لیے جاری کیا۔ اور اپنی محنت اور خوش تدبیری سے کامیاب کر کے دکھایا۔ آج بھی جبکہ اجناس کے ایک جگہ سے دوسری جگہ لانے اور واقعات و حالات سے خبردار رہنے کے ذرائع بے حد وسیع ہو گئے ہیں، سب کو معلوم ہے کہ اجناس کی نرخ بندی کس قدر مشکل ہے۔ لیکن علاء الدین نے اس کے لیے آج سے سات آٹھ سو سال پہلے قواعد و ضوابط وضع کیے۔ ان کی تعمیل کے لیے آسانیاں بہم پہنچائیں[1] اور اپنے ارادے میں پوری طرح کامیاب ہوا۔

اس کی ہمت اور محنت کی اور بھی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ وہ ابتدا میں قریب قریب بالکل اَن پڑھ تھا، لیکن جب اس نے اندرونی شورشوں کی روک تھام کے لیے مخبری اور احتساب کا وسیع سلسلہ جاری کیا تو اس نے مخبروں کی خفیہ رپورٹیں

---

[1] مثلاً سرکاری لگان کو بجائے زرِ نقد کے غلے کی صورت میں وصول کیا۔ تاکہ سرکاری گوداموں میں غلہ جمع ہو سکے جو قحط یا مسکِ باران کی صورت میں فروخت یا تقسیم کیا جا سکے۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پڑھنے کے لیے اخیر عمر میں لکھنے پڑھنے پر توجہ کی اور بڑی محنت کے بعد اتنی استعداد پیدا کرلی کہ شکستہ خط بخوبی پڑھ سکتا تھا۔ سلطان علاءالدین عالم نہ تھا لیکن اسے صورتِ حالات پرکھنے کا بڑا ملکہ تھا۔ وہ مختلف مسائل پر سوچ بچار کرکے ان کے حل ڈھونڈتا اور پھر بڑی مستعدی سے ان پر کاربند ہوتا۔ ایک مرتبہ وہ چتوڑ کی مہم سے ابھی واپس آیا ہی تھا کہ سوا لاکھ منگولوں کے ساتھ مغل سردار ترغی عین دہلی کے سامنے آن پہنچا اور بادشاہ کو مختصر فوج کے ساتھ سری کے قلعے میں محصور ہونا پڑا۔ منگول تو دہلی فتح کیے بغیر واپس چلے گئے، لیکن اس واقعہ نے علاءالدین کی آنکھیں کھول دیں۔ اب اس نے ایک تو اپنی فوج کو مضبوط اور مستحکم کیا۔ دوسرے شمال مغربی سرحد پر مضبوط قلعے بنائے اور اس کا انتظام غازی ملک کے (جو بعد میں سلطان غیاث الدین تغلق کے نام سے تخت نشین ہوا) سپرد کیا۔ اس کے علاوہ یہ بھی فیصلہ کیا کہ ملکی فتوحات کے لیے وہ خود دارالسلطنت کو چھوڑ کر کہیں نہیں جائے گا بلکہ اپنے جرنیلوں کو بھیجے گا۔ بالآخر یہ تدبیریں کامیاب ہوئیں۔ غازی ملک نے منگولوں کو پے در پے شکستیں دیں۔ جو منگول گرفتار ہوئے انھیں بادشاہ نے ہاتھیوں کے پاؤں تلے کچلوا دیا۔ چنانچہ اس کے بعد منگولوں نے جب تک سلطان علاءالدین تختِ دہلی پر متمکن رہا، اس طرف کا رُخ نہ کیا۔

علاءالدین کے قہر و ظلم کی نسبت یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ ہلاکو خاں اور اس کے جانشینوں کا ہمعصر تھا۔ اس زمانے میں رحمدلی اور حلم و تحمل دکھانا مفسدوں اور باغیوں کو جرأت دلانا تھا۔ اس کی ایک مثال منگولوں کے سدِباب سے ملے گی۔ جلال الدین خلجی نے ان کے ساتھ رحم کا برتاؤ کیا تھا، لیکن نتیجہ یہی ہوا کہ اس کے بعد بھی وہ ہر سال ہندوستان آتے رہے۔ علاءالدین خلجی نے ان کا قتل عام کیا اور ان کے ساتھ وہی درشتی اور سخت گیری روا رکھی جو وہ اپنے مفتوحین سے دوسرے ممالک میں برتتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب انھیں ہندوستان آنے کی ہمت نہ پڑی اور جس اہم کام کو بلبن نے شروع کیا تھا اسے علاءالدین نے

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تکمیل تک پہنچادیا۔

سلطان علاءالدین کا بست سالہ عہدِ حکومت تین حصّوں میں تقسیم ہوسکتا ہے۔ پہلا دَور ابتدائی فتوحات کا زمانہ ہے۔ جب اس نے منگولوں کو شکست دی اور پٹن (گجرات)، چتوڑ اور رنتھنبور کو فتح کیا۔ دوسرے دَور میں اُس کی اپنی توجہ اندرُونی اصلاحات پر مبذول رہی، لیکن اس نے ۱۳۰۵ء میں عین الملک مُلتانی کو وسطی ہند کی طرف بھیجا۔ جہاں اس نے اجین، چاندیری، مانڈور کے قلعوں کو فتح کرکے مالوہ اور وسطی ہندوستان کی خود مختار ریاستوں کو دہلی کا محکوم بنایا۔ اگلے سال مَلک کافور نے دیوگڑھ کے راجا رام دیو کو جس نے تین سال سے خراج نہیں دیا تھا۔ پھر شکست دی۔ راجا نے دہلی آن کر اطاعت قبول کی اور راے رایان کا خطاب پایا تیسرے دَور میں بادشاہ نے شمالی ہند کے معاملات کو بحُسن وخُوبی سلجھا کر تسخیرِ دکن کی تکمیل کی اور اس کے سپہ سالار مَلک کافور نے تلنگانہ، معبر اور جنوبی ہند کی دوسری سلطنتوں کو فتح کرکے ہندو راجاؤں کو دہلی کا باجگذار بنایا۔

برکاتِ عہدِ علائی | برنی نے علاءالدین کی تندمزاجی پر شدت سے نکتہ چینی کی ہے۔ لیکن عہدِ علائی کی جو تصویر اس کی کتاب میں کھنچی ہے اسے دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ اگرچہ باغیوں اور نافرمانوں کے لیے علاءالدین قہرِ عظیم تھا لیکن امن پسند شہریوں اور عام رعایا کے لیے اس کا وجود ایک رحمتِ الٰہی تھا۔ برنی نے عہدِ علائی کی جو خصوصیات بیان کی ہیں وہ بالاختصار یہ ہیں:۔

(۱) غلّے اور سامانِ معیشت کی فراوانی اور ارزانی، جس پر بارش کی کمی بیشی کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔

(۲) بادشاہ کی غیر معمولی اور مسلسل فتوحات۔

(۳) منگول حملہ آوروں کا قلع قمع۔

(۴) تھوڑے سرمایے والوں کے پاس جاہ وحشمت کی فراوانی۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۵) مغرور اور زبردست متکبروں کی طرف سے بادشاہ کی اطاعت اور غریبوں پر شفقت۔

(۶) مُلک اور راستوں کا امن وامان۔

(۷) تاجروں اور دکانداروں کی ارزاں فروشی اور قواعد شاہی کی پابندی۔

(۸) بے شمار نئی عمارتوں (مثلاً مسجدوں، قلعوں، سراؤں) کی تعمیر۔

(۹) عام رعایا کی رُوحانی اور اخلاقی ترقی[1]۔

(۱۰) مُلک بالخصوص دارالخلافے میں ہر علم کے جید عالموں اور ہر فن کے کامل ماہروں کا ازدحام۔ (ص ۳۲۹ - ص ۳۴۱)

عہدِ علائی میں ضروریاتِ زندگی کی یہ ارزانی وکثرت تھی اور مُلک میں اس قدر امن وامان تھا۔ تو جائے حیرت نہیں کہ علاء الدین کی وفات کے بعد لوگ اس کے عہدِ حکومت کو یاد کر کے کفِ افسوس ملتے تھے۔ حضرت سلطان المشائخ کے خلیفہ حضرت چراغِ دہلیؒ کے ملفوظات میں لکھا ہے (ترجمہ)

"حضرت چراغِ دہلیؒ نے اس وقت کی فراغ سالی اور ارزانی بیان کی جو سلطان علاء الدین کے وقت میں تھی۔ ان دنوں موسم سرما میں ہر فقیر لبادہ پوش ہوتا کافور نامی مہردار شاہی اکثر لبادے سلوا کر فقیروں کو تقسیم کرتا۔ بعضے دو دو پاتے[2]

حضرت چراغِ دہلی کے ملفوظات سے تو یہ پتا چلتا ہے کہ علاء الدین خلجی کی وفات کے بعد عوام الناس نے اسے ولی کا درجہ دے دیا اور اُس کی قبر پر جا کر دھاگے باندھتے اور مُرادیں مانگتے۔"

---

[1] "و نیز عجوبہ کہ در دو سال آخر عہد علائی مُشاہدہ شد آں ست کہ دلہائے اغلب و اکثر مسلمانان بر سداد و راستی و دیانت و انصاف و پرہیزگاری میل کردہ بُود و صدق معاملات درمیان مردان ظاہر شدہ و در ہندوان انقیاد و اطاعت عام ہم مے نمود و مثل آں در ہیچ عہدے دیدہ اند و نے بینند"۔ [2] ملاحظہ ہو سیر المجالس ترجمہ خیر المجالس ص ۱۸۹

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

"یہ بادشاہ علاء الدین عجیب رعیت پرور بادشاہ تھا۔ حاضرین میں سے ایک بولا لوگ اس کی قبر پر زیارت کو جاتے ہیں اور اپنی مراد کے ریسمان اس کے مزار پر باندھ آتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کی حاجتیں بر لاتا ہے"۔

نرخ بندی اور ارزانی اشیا کے قواعد کی نسبت برنی لکھتا ہے کہ ان کے نفاذ سے بادشاہ کا مقصد یہ تھا کہ وہ تھوڑے خرچ سے ایک بڑی فوج رکھ سکے۔ اور اس مقصد میں اُسے کامیابی اس لیے ہوئی کہ اس نے اختیاراتِ شاہی کا بڑے تشدد سے استعمال کیا۔ افسوس کہ فاضل مورخ نے (جو طبیعت، فلسفۂ زندگی اور مذہبی اور سیاسی خیالات میں علاء الدین کی عین ضد تھا) اس اہم معاملہ میں علاء الدین سے انصاف نہیں کیا۔ مثلاً ایک تو یہ خیال ہی سرے سے غلط اور معاشیات کے تمام اصولوں کے خلاف ہے کہ کوئی فرمانروا فقط جبر و تشدد سے سالہا سال تک نہ صرف چیزوں کی ارزانی بلکہ ان کی فراوانی کا انتظام کر سکتا ہے۔ دوسرے برنی کے علاوہ اس زمانے کے باقی تمام راوی اس معاملے میں اس کی تردید کرتے ہیں۔ معاصرانہ شواہد کو بغور دیکھنے سے خیال ہوتا ہے کہ اگرچہ علاء الدین (اس زمانے کی عام روش کے مطابق) ایک جابر اور تُند خُو بادشاہ تھا لیکن بادشاہت اور فرائضِ شاہانہ کے متعلق اس کا مطمحِ نظر بڑا بلند تھا اور اس کے اکثر قواعد و فرامین فلاحِ رعیت اور مُلکی مصلحت کی خاطر نافذ ہوئے۔

ارزانی اشیا کی نسبت خیر المجالس میں حضرت چراغ دہلیؒ کی زبانی لکھا ہے:-

"قاضی حمید الدین ملک التجار جب ان دنوں اودھ میں گیا تو وہاں دعوت کی۔ مجھ کو بھی بُلایا تھا۔ جب بعد دعوت لوگ رخصت ہوئے اور مَیں اور وہ ایک جگہ بیٹھے تو یہ قصہ بیان کیا کہ ایک بار مَیں نے سلطان علاء الدین کو دیکھا۔ پلنگ پر بیٹھے ہوئے، سر برہنہ، پاؤں زمین پر، فکر میں غرق۔ مبہوتوں کی سی شکل۔ مَیں رُوبرُو گیا۔ بادشاہ ایسا فکر میں تھا کہ کچھ خبر نہ ہوئی۔ مَیں نے باہر آکر یہ حال مَلک فرید بک سے کہا کہ آج مَیں نے بادشاہ کو اس طرح دیکھا ہے تم بھی چل کر دیکھو کیا سبب

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اِس فکر کا ہے۔ ان کی صدر پر دانگی تھی۔ وہ قاضی کے ساتھ اندر گیا۔ بادشاہ کو باتوں میں لگایا۔ پھر عرض کی کہ امیر المسلمین سے کچھ عرض ہے حکم ہو تو بیان کروں۔ بادشاہ نے اجازت دی۔ قاضی حمید الدین ملک التجار آگے بڑھا اور قاضی نے کہا میں ابھی اندر آیا تھا ——— حضور کو دیکھا' سر برہنہ پریشاں حال فکر مند ہیں سو آپ کو کس بات کی فکر تھی۔ بادشاہ نے کہا سنو مجھ کو چند روز سے یہ فکر ہے کہ میں دل میں سوچتا ہوں کہ مجھ کو اللہ تعالےٰ نے اپنی مخلوق پر حاکم کیا ہے اب کچھ ایسا کام کرنا چاہیے کہ مجھ سے تمام مخلوق کو نفع پہنچے۔ دل میں سوچا' کیا کروں۔ اگر تمام خزانہ اپنا اور سوچا اس کا تقسیم کروں تب بھی خلق کو نفع نہ ہوگا۔ اب ایک بات سوچی ہے۔ وہ تم سے کہتا ہوں وہ یہ ہے کہ تدبیر ارزانی غلہ کی کروں کہ اس سے مخلوق کو فائدہ پہنچے گا۔ اور ارزانی غلہ کی یہ تدبیر کی ہے کہ بنجاروں کے ٹانکوں کو حکم دوں کہ حاضر ہوں وہ جو غلہ اطراف سے ہزاروں بیلوں پر لاتے ہیں ان کو خلعت دے کر اپنے خزانے سے روپیہ قیمت کا دوں اور خرچ خانگی ان کا الگ دوں کہ بے فکر ہو جائیں۔ اور میرے نرخ مقررہ کے موافق بیچیں۔ غرض یہ ہی بات قرار داد ٹھہری اور ٹانکوں کو فرمان جاری ہوئے۔ خلعت اور خرچ اور قیمت خزانہ شاہی سے ملا اور ہر طرح کا غلہ اطراف سے بکثرت آنے لگا۔ چند روز کے بعد فی من گندم سات جیتل کو آنے لگا۔ اور گھی شکر سب چیزیں ارزاں ہوئیں۔ خلق آسودہ ہوئی۔ سب نے نفع پایا۔"[1]

اس روایت کی نسبت ممکن ہے کہا جائے کہ وہ ایک صوفیانہ تذکرے سے لی گئی ہے اور ان تذکروں میں تحقیق و تنقید کا معیار بہت بلند نہیں ہوتا۔ لیکن اس عہد کی تاریخی کتب میں جو تھوڑا بہت مواد ملتا ہے اس سے بھی برنی کے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ علاء الدین نے چیزوں کی ارزانی کا انتظام فقط اخراجات خزانہ

---

[1] سراج المجالس ترجمہ خیر المجالس ص ۱۸۹-۱۹۰

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کو کم رکھنے کی غرض سے کیا۔ اور اس میں اسے کامیابی فقط جبر و تشدد کی بدولت ہوئی۔ برنی کی کتاب کی تصنیف کے چند سال بعد شمس سراج عفیف نے تاریخ فیروز شاہی لکھی جو فیروز تغلق کے کارناموں کا بیان بلکہ اس کی تعریف میں ایک مسلسل نثری قصیدہ ہے۔ اس کتاب میں عہدِ علائی کی خوبیاں بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔ (بلکہ چونکہ مورخ کا مقصد فیروز شاہ کی برکات حکومت کو نمایاں کرنا ہے۔ اس لیے عہدِ علائی کی تعریف اس کے اصولی مقصد کے خلاف بھی ہے) لیکن اس وقت تک عام لوگ عہدِ علائی کو بادشاہت کی معراج سمجھتے تھے۔ اس لیے عفیف کو طوعاً و کرہاً اس کا ذکر کرنا پڑا ہے۔ اس کا متعلقہ بیان بڑا دلچسپ ہے اور اس سے بھی برنی کے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ قواعدِ علائی بیشتر جبر و تشدد کی بنا پر نافذ ہوئے۔ عفیف عہدِ فیروزی کی فراغت و ارزانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"بادشاہ (فیروز تغلق) کے چالیس سالہ دورِ حکومت میں قحط کا نام و نشان تک سُنائی نہ دیا اور فیروز شاہی عہد کی برکات کے مقابلے میں تمام اہلِ شہر علائی برکات کو قطعاً بھول گئے۔

عہدِ علائی کی برکات تاریخ میں بے نظیر تھیں۔ لیکن فیروز شاہی عہد کی فراغت نے ان کو بھی گوشۂ دل سے فراموش کرا دیا۔

سلطان علاء الدین نے ارزانی کے لیے جس قدر بلیغ کوشش کی اس کے حالات کتبِ تواریخ میں مفصل مذکور ہیں۔ علاء الدین نے سوداگروں کو رقم عطا کی اور بے شمار زر و دولت ان کے سامنے پیش کیا۔ ان کے وظائف مقرر کیے اور ان کو ہر قسم کے رحم و کرم شاہی سے سرفراز کیا۔ اس وقت اس درجہ ارزانی پیدا ہوئی۔"[1]

ابنِ بطوطہ کے بیان سے بھی جو علاء الدین کی وفات کے چند سال بعد

---

[1] تاریخ فیروز شاہی از عفیف (اُردو ترجمہ شائع کردہ دار الترجمہ حیدر آباد دکن) ص ۲۰۶

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہندوستان آیا۔ عفیف اور حضرت چراغ دہلیؒ کی تائید اور برنی کی تردید ہوتی ہے۔

علاء الدین دارالخلافے میں داخل ہوا اور اس نے بیس برس تک سلطنت کی۔ وہ سب سے اچھے بادشاہوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اہلِ ہند اب تک اس کی تعریف کرتے ہیں۔ وہ خود امورِ سلطنت کو انجام دیتا تھا۔ اور ہر روز نرخ وغیرہ کی بابت دریافت کرلیتا تھا...... کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اس نے محتسب سے دریافت کیا کہ گوشت کے گراں ہونے کا کیا سبب ہے۔ اس نے کہا کہ گائے اور بکری پر زکوٰۃ (یعنی محصول) لی جاتی ہے۔ بادشاہ نے اسی روز سے کل محصول اس قسم کے معاف کردیے اور سوداگروں کو بلاکر راس المال اپنے خزانے سے دیا اور کہا کہ اس کی گائے اور بکریاں خرید لاؤ اور ان کو بیچ کر قیمت خزانہ میں داخل کرو اور ان کی کچھ اجرت مقرر کردی۔

اسی طرح جو کپڑا دولت آباد سے آتا تھا اس کا انتظام کیا۔ ایک دفعہ غلّہ بہت گراں ہوگیا تو اس نے سرکاری گودام کھلوادیے اور نرخ سستا ہوگیا۔"

عصامی جو عہدِ علائی میں پیدا ہوا۔ اور جس نے اپنی مثنوی "فتوح السلاطین" میں تاریخی واقعات بڑی احتیاط سے نظم کیے ہیں۔ علاء الدین کی بڑی تعریف کرتا ہے۔ بلکہ سلطان محمد بن تغلق کے ظلم وستم کی شکایت کرتے ہوئے اس کے مقابلے میں رعیت پروری کی مثالیں دینے کے لیے اس نے جس بادشاہ کو منتخب کیا ہے 'وہ (سلطان ناصر الدین محمود یا التمش نہیں) علاء الدین خلجی ہے۔ (ملاحظہ ہو فتوح السلاطین کا آخری حصہ "صفتِ ملک ہندوستان متضمن مدحت سلطان محمد علاء الدین خلجی نور اللہ مرقدہٗ و مذمت محمد شاہ ابنِ تغلق شاہ) ایک اور جگہ وہ سلطان علاء الدین خلجی کی نسبت لکھتا ہے:۔

به عهدش جهاں جمله آسوده بود | کسے کم بجز فتنه فرسوده بود
از ارزانیٔ عهدِ آں کامیاب | گلاب و عسل بود هم نرخ آب
به عهدش کسے جز غمِ دیں نخورد | به دورش کس از غم شکایت نکرد

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

غم خلق مے خورد تا زندہ بُود   زشاہاں ہمو گوئے عصمت رُبُود

سلطان علاء الدین خلجی نے اپنے مقاصد میں بے نظیر کامیابی حاصل کی اس کا باعث زیادہ تر اس کی اپنی انتظامی قابلیت تھی لیکن اسے حُسنِ اتفاق سے غیر معمولی طور پر سمجھ دار اور تجربہ کار مشیر میسر آئے تھے اور بادشاہ ان کے مشوروں سے پوری طرح مستفید ہوتا۔ برنی کا بیان ہے :-

"سلطان علاء الدین باراے زناں خورد کہ ہر یکے ازاں بزرگاں بے نظیر و مستغنی بودند' راے زد و مشورت کرد۔"

ایک اور جگہ یہی مورّخ لکھتا ہے :-

"راے زناں آصف اوصاف کہ در درگاہ سلطان علاء الدین بودند فکرہاے صافی را در کار آوردند و بعد اندیشہ بسیار..... پیش تخت عرضداشت کردند۔"

علاء الدین کا مزاج سخت تھا اور عام طور پر ویسے بھی شخصی حکومت میں بادشاہ کے درباریوں کو پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا تھا۔ لیکن علاء الدین اپنے مشیروں کے وہ مشورے بھی جو اسے پسندِ خاطر نہ تھے یا اس کے ذاتی مفاد کے خلاف تھے، گوشِ ہوش سے سُنتا اور اگر وہ فی الواقع صائب اور مفید ہوتے تو انھیں چراغِ راہ بناتا۔

بادشاہ اور علاءُ الملک کی تاریخی گفتگو

ابتدائی ایام میں جب علاء الدین کو پے در پے اہم کامیابیاں ہوئیں تو اس کے طائرِ ہوس نے بلند پروازیاں شروع کیں اور اس کے دل کو طرح طرح کی خواہشات گدگدانے لگیں۔ مثلاً وہ کہتا کہ رسولِ اکرمؐ کو خدا نے چار یار عطا کیے جن کی مدد سے انھوں نے ایک شریعت کا آغاز کیا۔ اگر مَیں بھی اپنے چار یار یعنی الماس بیگ' الغ خان' ظفر خان' ملک نصرت خاں اور سنجر الپ خاں کی مدد سے ایک نئے دین و مذہب کی بُنیاد ڈالوں تو قیامت تک میرا اور میرے ساتھیوں کا نام صفحۂ روزگار پر یادگار رہے گا۔ وہ خلوت خانے میں بار بار اس بات کا ذکر کرتا اور پُوچھتا کہ کونسا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ جس سے قیامت تک میرا نام باقی رہے

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

خلقت ہمارے بتائے ہوئے راستے پر چلے۔

اس کا دوسرا منصوبہ یہ تھا کہ چونکہ اس کے پاس بے شمار خزانہ و لشکر اور بے اندازہ ہاتھی گھوڑے ہیں۔ چاہیے کہ وہ دہلی کو ایک معتمد درباری کے سپرد کر کے یونان کے بادشاہ سکندرِ اعظم کی طرح عالمگیر فتوحات کا آغاز کرے۔

چنانچہ جب اسے کئی مسلسل کامیابیاں حاصل ہوئیں تو اس نے خطبہ میں اپنے آپ کو سکندر ثانی کہلوایا۔ سکوں پر بھی یہ لقب کھدوایا۔ وہ اپنے ہر دوار اور کی بابت اپنے درباریوں اور حاضرینِ مجلس سے پوچھا کرتا تھا اور چونکہ لوگ اس کی سخت گیری اور بدخوئی سے ڈرتے تھے وہ اس کی ہاں میں ہاں ملا دیتے۔ لیکن خوش قسمتی سے بادشاہ کے درباریوں میں سے ایک شخص (ضیاء الدین برنی کا چچا ملک علاء الدین علاء الملک کوتوال دہلی تھا۔ ایک دن وہ حسبِ معمول بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے اپنے دو منصوبوں کی نسبت اس سے بھی پوچھا۔ علاء الملک نے جو مردِ راست گو تھا اور علوم سے بھی باخبر تھا، بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو سامنے سے شراب ہٹا دی جائے اور محفل کو سوائے خاص لوگوں کے باقی سب سے خالی کرا لیا جائے تاکہ جو کچھ اس پروردہ نعمت کی عقل سمجھ میں آتا ہے عرض کرے۔ بادشاہ نے یہ معروضہ قبول کیا۔ مجلس سے صراحی و پیالہ اٹھائے گئے۔ اور حاضرین میں سے بھی سوائے الماس بیگ، الغ خاں، ملک نصرت خاں، ملک الپ خاں اور ظفر خاں کے باقی سب کو رخصت کر دیا گیا۔

علاء الملک نے زمینِ خدمت کو بوسہ دیا اور کہا کہ بادشاہ سلامت، دین و شریعت کی باتیں انبیا علیہم السلام سے تعلق رکھتی ہیں اور نبوت کا انحصار وحی آسمانی پر ہے اور یہ بات اب حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی سب خاص و عام، چھوٹے بڑے، نزدیک و دور اس کو جانتے ہیں۔ اگر عام لوگ کو حضور بادشاہ کے منصوبہ نبوت کا پتا چلا تو بادشاہ سے یقیناً بددل ہو جائیں گے اور ملک میں فساد اور بدنظمی پھیل جائے گی۔ مصلحتِ ملکی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سُلطانِ جہاں اس ارادے کو بالکل اپنے صفحۂ دل سے محو کر دیں اور پھر کبھی ایسی چیز کا خیال نہ کریں جو اب کسی آدم زاد کو میسر نہیں آسکتی۔ حضورِ پُرنور پر روشن ہوگا کہ چنگیز خان اور اس کی اولاد نے سالہا سال تک اس امر کی بڑی کوشش کی ہے کہ مذہب اسلام دُنیا سے نابُود ہو جائے اور ان کا اپنا دین جو ہزارہا سال سے ترکستان میں رائج ہے، دُنیا میں عام ہو۔ اس مقصد کے لیے اُنھوں نے لاکھوں مسلمانوں کو قتل کیا۔ لیکن ان کی یہ خواہش کسی طرح پوری نہ ہوئی اور بالآخر ان کی اولاد کے دل میں دینِ متین محمدی کی اُستواری ذہن نشین ہوئی۔ اور وہ مسلمان ہو گئے اور اسلام کی تقویت کے لیے انھوں نے کفار سے جنگ بھی کی۔"

سلطان علاء الدین نے بڑی دیر تک علاء الملک کے مشورے پر غور و تامل کیا۔ پھر اس سے کہنے لگا کہ جو کچھ تم نے کہا ہے درست اور حقیقت کے مطابق ہے۔ خدا تمھارے والدین پر صد ہزار رحمت کرے کہ تم نے نمک حلالی سے ایسا مشورہ دیا۔ آج کے بعد کوئی شخص کسی مجلس میں مجھ سے اس مسئلے پر کوئی بات نہ سُنے گا۔

پھر بادشاہ نے اپنے دوسرے ارادے یعنی فتح ممالک کی نسبت پوچھا کہ وہ ٹھیک ہے یا ناقص۔ ملک علاء الملک نے عرض کیا کہ وہ ارادہ نیک ہے اور جہاں پناہ کی ہمتِ عالی کی دلیل۔ لیکن اس کے متعلق بھی چند امور غور طلب ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب جہاں پناہ دہلی چھوڑ کر بیرونی ممالک میں جائیں گے تو ہندوستان میں نیابت کے فرائض کون سرانجام دے گا؟ اور جب آپ عرصۂ دراز کے بعد دہلی واپس آئیں گے تو وہ نائب اپنے عہد و پیمان پر قائم ہوگا یا منحرف ہو جائے گا؟ حضورِ والا آج کا زمانہ سکندر کا زمانہ نہیں ہے۔ اس کے زمانے میں غدر و بدعہدی شاذ و نادر تھی جس نے ایک دفعہ کوئی عہد باندھا وہ مرتے دم تک اس پر قائم رہا۔ دوسرے سکندر کے پاس ارسطو جیسا وزیرِ باتدبیر تھا جس نے سکندر کی عدم موجودگی میں سب کو مطیع و تابعدار رکھا۔ اور جب سکندر لوٹ کر گیا تو سلطنت کو محفوظ و درست پایا۔ اگر حضور کے اُمرا اس حد تک قابلِ اعتماد ہیں تو حسبی اللہ! آپ کا

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ارادہ مُبارک ہے ۔"

بادشاہ نے اس بات پر دیر تک غور و خوض کیا اور کہا کہ اگر میں ان مشکلات کا خیال کروں تو مجھے گوشۂ دہلی پر قناعت کرنی پڑے گی۔ پھر میرے سب گھوڑے ہاتھی اور لاؤ لشکر کس کام آئیں گے اور میرے نام کی کس طرح شہرت ہو گی۔ علاء الملک نے پھر پتے کی بات کہی اور عرض کیا کہ ابھی جہاں پناہ کو دو مہمیں اس طرح کی درپیش ہیں کہ تمام خزائن اُن کے لیے درکار ہوں گے۔ ایک تو تمام اقالیم ہندوستان کی تسخیر اور وسطی ہندوستان کے بعض قلعوں مثلاً رنتھنبور، چتوڑ، چاندیری وغیرہ اور مشرقی سمت میں دریائے شور اور شمال میں لمغان و کابل تک کے سب علاقوں کی فتح۔ دوسرے مغلوں کا سدِ باب یعنی دیپالپور اور مُلتان اور اس طرح کے جو دُوسرے قلعے ان کے رستے میں ہیں۔ ان کا مکمل استحکام۔ جب دونوں مہمیں بخیر و خوبی سرانجام پا جائیں گی تب بادشاہ سلامت کے لیے ممکن ہو گا کہ خود بدولت تو دہلی میں قیام کریں اور امرائے معتمد کو آراستہ فوجوں کے ساتھ اطراف واکناف میں روانہ کریں تاکہ دُور دُور کے ممالک کو فتح کر کے حضور کا نام جہانگیری روشن کریں لیکن یہ سب کچھ اسی صورت میں ہو گا جب بادشاہ سلامت کثرتِ شراب نوشی سیر و شکار اور عیش و عشرت سے دست بردار ہو جائیں گے۔

سلطان علاء الدین یہ باتیں سُن کر بہت خوش ہُوا۔ علاء الملک کی رائے صائب اور تدبر کی تعریف کی اور اسے دو گاؤں، گھوڑے اور بے شمار زر و جواہر انعام دیا۔ جو اُمراء اس مجلس میں حاضر تھے، وہ بھی علاء الملک کی باتوں سے خوش و خرم ہوئے اور ہر ایک نے چند ہزار تنکے اور دو دو تین تین گھوڑے تحفے کے طور پر اس کے پاس ارسال کیے۔ (ملخص و ترجمہ از برنی۔ ص ۲۶۳ تا ص ۲۷۰)

علاء الدین مفید اور صائب مشورے، خواہ وہ اس کی مرضی کے خلاف ہوں قبول کر لیتا تھا، لیکن وہ ضعیف الرائے اور متلون مزاج نہ تھا اور ہر مشورے کے آگے سر نہ جھکا دیتا۔ مثلاً اسی علاء الملک کو تو ال دہلی کی نسبت جس کے ایک

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

خلاف منشا مشورے پر علاء الدین نے اس قدر انعام واکرام دیا۔ برنی لکھتا ہے کہ جب ایک دفعہ منگولوں کا سردار قتلغ خواجہ ایک لشکرِ جرار لے کر دہلی پہنچ گیا تو علاء الملک نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ لڑائی میں فریقین کا معاملہ ترازو کے پلڑوں کی طرح ہوتا ہے جو چند دانوں کی کمی بیشی سے اوپر نیچے ہو جاتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ لڑائی سے پہلوتہی کی جائے۔ اس پر علاء الدین نے اپنے معتمد کوتوال سے کہا کہ اگر میں تمھارے مشورے پر عمل کروں اور اس موقعہ پر جب دشمن میرے سامنے صف آرا ہے، مقابلے سے پہلو بچانے کی کوشش کروں تو میں اپنے حرم کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ اور میری سلطنت میں میری کیا عزت و آبرو رہے گی؟ اب تو وہ موقع ہے کہ تمھارے خیر خواہانہ مشورے کو ایک طرف رکھا جائے اور بے جگری سے حریف کا مقابلہ کیا جائے۔

"ایں حالت پیش آمدہ است کہ عقل را در گوشہ مے باید نہاد و بجز خونریزی و خون ریختن و از سر جانِ خود برخاستن و تیغ ہا برہنہ کردن و با خصماں در آویختن کارے واندیشہ دیگر نمے باید کرد!" (ص ۲۵۸)

چنانچہ بادشاہ نے شہر دہلی اور اپنے حرم اور خزانے کو توال کی تحویل میں دیے اور منگولوں کے خلاف اس بہادری اور ہوشیاری سے لڑا کہ انھیں پسپائی ہی میں سلامتی نظر آئی۔

علاء الدین شعرائے عصر کی نظروں میں

عہدِ علائی میں ملک کی خوش حالی اور امن و امان کی وجہ سے ہر قسم کے ماہرینِ فن جمع ہو گئے تھے۔ اور برنی نے علما و مشائخ، مفسرین اور فاضلانِ حدیث، مورخین و شعرا، اطبا اور منجمین، غزل خوانوں اور خطاطوں اور دوسرے اساتذہ فن کی طویل فہرستیں دی ہیں۔ ان میں سے اکثر کے کارنامے صفحۂ ہستی سے محو ہو گئے ہیں فقط دو شاعروں یعنی امیر خسرو اور امیر حسن سنجری کو شہرتِ پائدار نصیب ہوئی ہے۔ خشک مزاج علاء الدین نے ان فخرِ روزگار شعرا کی بھی خاص قدر

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نہ کی۔ لیکن خسرو اور حسن دونوں جانتے تھے کہ وقت کی عام فراغ بالی جس سے وہ بھی دوسروں کی طرح فیض یاب ہوتے تھے، علاء الدین کی مرہونِ منت تھی۔ ان دونوں نے بادشاہ کی تعریف میں قصیدے لکھے اور غزلوں کو بھی مدحتِ شاہی کا ذریعہ بنایا۔ بالخصوص میر حسن نے تو بادشاہ کی تعریف میں متعدد مثنویوں اور غزلوں کے علاوہ کوئی ڈیڑھ سو قصائد لکھے۔ ایک قصیدے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ اور غور کیجیے کہ فوائد الفواد کا مؤلف علاء الدین کے "دین و ملت" پر احسانات کا کس طرح ذکر کرتا ہے ؎

ز فتحِ شاہ عالم را بہار است — بہارِ او فتوحِ روزگار است
نہالِ ملک از زانست تازہ — کہ آن پروردۂ پروردگار است
دریں حضرت ز نَو نَو غنچہ فتح — ہمہ ایام گوئی تو بہار است
گلِ نصرت کہ رست از سبزۂ تیغ — ز سرسبزیِ بخت شہریار است
شہنشاہے کہ دائم طالعِ او — بہر عزمے کہ خواہد کامگار است
علاء الدین و الدنیا کہ از وے — بنائے دین و دُنیا اُستوار است
محمد شاہ بحر و بر کہ اسلام — ز تیغِ بیقرارش برقرار است
بحمد اللہ کہ از بارانِ عدلش — ہوائے مُلک و دولت برقرار است
نثارِ فتح بر رایاتِ شاہ باد — کہ فتحش دین و ملت را مدار است
دعائش خواستم گفتن چہ گوئیم — کہ عُمرش چوں عطایش بیشمار است

حسن زیں بادشاہِ بندہ پرور
چو دیگر بندگاں اُمیدوار است

ایک اور قصیدے میں کہتے ہیں ؎

ثباتِ دولت و مُلک از بقائے شاہ بادا
بقائے اوست کہ اسلام را مدار آمد

امیر خسرو بھی ایک غزل میں فرماتے ہیں ؎

بازم رُخِ زیبائے کسے در نظر آمد — عشقے بدل اُفتاد ہوائے بسر آمد

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

زیں پس نخورم ہیچ غمے خامہ کہ از چرخ — بر شاہِ جہاں مژدۂ فتح و ظفر آمد
آں شاہِ علاء الدین اسکندرِ ثانی — کز لشکرِ او زلزلہ در بحر و بر آمد
سلطانِ جہانگیر محمد شہِ اعظم — کز داد و دہش ہمچو علیؓ و عمرؓ آمد
از زلزلۂ جیشِ تو دہلی ز حدِ خویش
جنبید و زمیں بوس زناں بشتر آمد

علاء الدین اور مذہب اسلام

علاء الدین ایک منتظم بادشاہ تھا۔ اس کی فتوحات سے اسلامی حکومت کو وسعت و استحکام نصیب ہوا۔ لیکن فیروز تغلق اور اورنگ زیب عالمگیر کی طرح اسے مذہب اسلام سے براہِ راست کوئی مخلص دلچسپی نہ تھی۔ وہ شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے پوتے شیخ رکن الدینؒ کا معتقد تھا اور حضرت سلطان المشائخ کا بھی وہ تھوڑا بہت پاس کرتا تھا، لیکن اس کی طبیعت کا اسلوب دنیاوی اور مادی تھا۔ اس نے ایک زمانے میں شراب کی مجلسیں بند کر دیں اور ممالکِ محروسہ میں شراب نوشی کی ممانعت کر دی، لیکن اس کا باعث شرعِ اسلامی کا احترام نہ تھا بلکہ ملکی مصلحتیں۔ جب بادشاہ کے خلاف چند سازشیں ہوئیں اور اس نے ان کے بارے میں مجلسِ مشاورت منعقد کی تو اس کے مشیروں نے جو چار اسباب ان سازشوں کے بتائے ان میں سے ایک امراء و عوام کی شراب خوری تھی جس سے بُری عادتیں زور پکڑتی تھیں۔ امراء و عمائد مجالسِ شراب میں ایک دوسرے سے بے تکلف ہو کر خطرناک باتوں پر بھی گفتگو کر کے سازشیں شروع کر سکتے تھے۔ چنانچہ بادشاہ نے پہلے تو اپنی مجلسِ شراب بند کی اور پھر عام حکم ہوا کہ بادشاہ نے شراب سے توبہ کر لی ہے۔ اب نہ کوئی شراب پیے نہ بیچے۔ اس حکم پر سختی سے عمل ہوا۔ لیکن چونکہ اصل مقصد امراء کی دوستانہ مجالس کو بند کرنا تھا۔ بعد میں تنہا شراب پینے کی اجازت دے دی گئی۔

علاء الدین مذہبی قسم کا آدمی نہ تھا۔ لیکن وہ لامذہب بھی نہ تھا۔ برنی لکھتا ہے:۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

"در آتیان تکالیف شرع سخت متعصر بوده است و نماز روزه او را معلوم نبود کہ — چہ حال بود۔ و در اسلام اعتقاد تقلیدی بر طرف عامیان راسخ داخت و دسخن بد مذہباں وکلام بد دیناں نگفتے ونشنیدے وندانستے"

وہ مذہبی عالموں اور قاضیوں کی کوئی قدر نہ کرتا تھا اور کہتا تھا کہ انھیں اتنی لیاقت نہیں ہوتی کہ رموزِ مملکت داری سمجھ سکیں۔ یہ بادشاہ کا کام ہے کہ سلطنت کے لیے قواعد وضوابط نافذ کرے۔ شرع اور اہلِ شرع کو اس سے کوئی متعلق نہیں۔ البتہ جھگڑوں اور مقدموں کا تصفیہ اور طریقِ عبادت بتانا قاضیوں اور علما کا کام ہے۔ چنانچہ اصلاحِ ملک کے لیے جس چیز کو وہ مناسب سمجھتا اس پر عمل کر گزرتا خواہ وہ مشروع ہوتی یا غیر مشروع۔ برنی لکھتا ہے :-

"چوں در بادشاہی رسید در دل او ہمچنیں نقش بستہ کہ ملک داری وجہاں بانی علٰحدہ کار یست وروائت واحکامِ شریعت علٰحدہ امریست۔ واحکامِ بادشاہی بہ بادشاہ متعلق است واحکامِ شریعت بہ روائتِ قاضیان ومفتیان مفوض است در بحکم اعتقاد مذکور ہر چہ در کارِ ملک داری او فراہم آمدے وصلاحِ ملک دراں دیدے آں کار خواہ مشروع وخواہ نامشروع، بکردے و ہرگز در امور جہانداری خود مسئلہ در روائتے نہ پرسیدے" (ص ۲۸۹)

بادشاہ اور قاضی مغیث کی گفتگو

بادشاہ نے اپنی اصلاحیں اور ملکی قاعدے اہلِ شرع کا فتویٰ لیے بغیر جاری کیے۔ لیکن ایک دن پتا نہیں اس کے دل میں کیا خیال آیا کہ اس نے قاضی مغیث الدین بیانوی سے جو اس زمانے کے مشہور عالم تھے، بعض اہم اور پیچیدہ مسئلوں کے متعلق شرع کا حکم پوچھنا شروع کیا۔ چونکہ بادشاہ نے تمام عمر شرع کی طرف توجہ نہ کی تھی اس لیے قاضی صاحب ڈرے اور بادشاہ سے کہنے لگے کہ "ظاہرا میری اجل نزدیک آگئی ہے"۔ بادشاہ نے وضاحت چاہی تو قاضی صاحب نے کہا کہ میں بادشاہ کے سوالات کا جواب صحیح صحیح عرض کروں گا اور چونکہ وہ بادشاہ کی مرضی کے

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

خلاف ہوگا۔ اس لیے میرے قتل کا حکم نافذ ہو جائے گا۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ تم شریعتِ محمدیہ کے مطابق سچ سچ کہو اور سانچ کو آنچ نہ ہوگی!

پہلا مسئلہ سلطان علاء الدین نے قاضی مغیث سے یہ پوچھا کہ شرع کے مطابق کس ہندو کو خراج گزار اور خراج دہ کہا جاتا ہے۔ قاضی نے جواب دیا کہ شرع کے مطابق اس ہندو کو خراج گزار کہا جائے گا جو اس وقت، جب محصلِ دیوانی اس سے چاندی طلب کرے تو وہ بغیر کسی تامل کے اور پوری تعظیم اور عاجزی کے ساتھ سونا پیش کرے اور اگر محصل اس کے مُنہ میں تھوکے تو وہ بغیر کسی کراہت کے اپنا مُنہ کھول دے اور اس حالت میں بھی محصل کی پوری طرح خدمت کرے۔ ("واگر محصل خوے در دہنِ او اندازد او بے ہیچ تنفرے دہن باز کند۔ تا محصل خوے در دہنِ او اندازد و دراں حالت محصل را خدمت کند") اور اس عاجزی اور اس ساری تذلیل کا مقصد ذمی کی انتہائی اطاعت نمایاں کرنا اور دینِ اسلام اور حق کی سربلندی، اور کُفر یعنی دینِ باطل کی خواری ہے اور خُدا ان لوگوں کی خواری کے متعلق فرماتا ہے۔ "عن ید هم صاغرون" ان کو تباہ حال رکھو بالخصوص ہندوؤں کی خواری دین داری کے لوازمات میں سے ہے۔ کیونکہ وہ رسولِ اکرمؐ کے بدترین دشمن ہیں اور رسولِ اکرمؐ نے ہندوؤں کے قتل اور ان سے مالِ غنیمت لینے اور ان کو غلام بنانے کا حکم دیا ہے کہ یا تو وہ اسلام قبول کریں یا ان کو قتل کیا جائے یا غلامی میں لیا جائے اور ان کے مال و ملک پر قبضہ کیا جائے۔ سوائے امام اعظمؒ کے، جن کے ہم پیرو ہیں، دوسرے آئمہ کے مذہب کے نزدیک ہندوؤں سے جزیہ قبول کرنا جائز نہیں اور ان کے نزدیک ہندوؤں کے لیے اسلام کا یہ حکم ہے۔ "اما القتل واما الاسلام" (یعنی یا انھیں قتل کرو یا وہ اسلام لائیں) سلطان علاء الدین قاضی مغیث کے جواب پر بہت ہنسا اور کہا کہ یہ باتیں جو تم نے کہیں، میں نہیں جانتا۔ مجھے صرف اتنا پتا ہے کہ خوط اور مقدم (یعنی دیہات کے ہندو نمبردار وغیرہ) اچھے اچھے کپڑے پہنتے ہیں۔ ولائتی کمانوں سے تیراندازی کرتے ہیں۔ ایک دوسرے

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ محاربہ کرتے اور شکار کھیلتے ہیں، لیکن جہاں تک خراج، جزیہ، کری (مکانوں کے ٹیکس) اور چرائی (یعنی چراگاہوں کے ٹیکس) کا تعلق ہے وہ ایک جتیل[1] بھی ادا نہیں کرتے۔ وہ دیہات سے اپنی نمبرداری کا حصہ علیحدہ وصول کرتے ہیں۔ اپنی مجالس منعقد کر کے شرابیں پیتے ہیں، لیکن ان میں بہت سے بُلانے پر یا بغیر بُلائے دیوانِ شاہی میں نہیں آتے اور سرکاری ٹیکس وصول کرنے والوں کی پروا نہیں کرتے۔ اس پر مجھے بڑا غصہ آیا اور مَیں نے دل میں سوچا کہ مَیں تو یہ ارادے باندھتا ہوں کہ دوسری اقالیم کو فتح کروں اور دوسرے مُلکوں میں اپنا نظم و نسق رائج کروں، لیکن یہ جو سو کوس کی ولایت میرے تابع ہے اس میں بھی میری فرماں برداری کا حق، جیسا کہ چاہیے ادا نہیں ہوتا تو مَیں دوسری ولایت میں اپنی فرماں برداری کیسے کراؤں گا! چنانچہ مَیں نے اب ایسے ایسے انتظامات کیے ہیں اور رعیت کو اس طرح اپنا فرماں بردار بنایا ہے کہ اگر میرا حکم ہو تو وہ چوہوں کی طرح بلوں میں گھس جائیں! اور اب تم بھی کہتے ہو کہ شرع کا بھی یہی حکم ہے کہ ہندو کو پوری طرح اور انتہائی طور پر فرماں بردار بنایا جائے۔" اس کے بعد بادشاہ نے کہا "اے مولنا مغیث! تم لکھے پڑھے آدمی ہو، لیکن تجربہ نہیں رکھتے۔ مَیں ناخواندہ ہوں لیکن میرا تجربہ وسیع ہے۔ تم یاد رکھو کہ ہندو کبھی بھی مسلمان کا فرماں بردار اور مطیع نہ ہوگا جب تک اس کو بے نوا اور بے حیثیت نہ کر دیا جائے۔ چنانچہ میں نے حکم دیا ہے کہ آیندہ رعیت کے پاس فقط اتنا کچھ رہنے دیا جائے کہ وہ زراعت اور دُودھ دہی کے لیے سال بہ سال سامان کر سکیں، لیکن ذخیرہ جمع کرنے اور جائداد بنانے کا موقع انھیں ہرگز نہ ملے۔"

دوسرا سوال رشوت خور عمّال کی سزا کے متعلق تھا۔ بادشاہ نے پُوچھا کہ کیا ان پر چوری کی حدِ شرعی نافذ ہو سکتی ہے؟ قاضی نے جواب دیا کہ اگر سرکاری عاملوں کو

---

[1] اسلامی حکومت کا روپیہ تنکہ یا تنگہ کہلاتا تھا، جس کے چونسٹھ جتیل (پیسے) ہوتے تھے۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بقدرِ کفاف نہ ملتا ہو تو جو کچھ وہ بطور رشوت لیں ان سے ہر طرح کی سختی اور سزا کے ساتھ واپس لیا جا سکتا ہے، لیکن قطع ید جو مکان محفوظ سے مال چرانے کی سزائے شرعی ہے، ان حالات میں اس کے جواز کے متعلق میں نے کسی کتاب میں نہیں پڑھا۔ (من در کتابے نخواندہ ام) بادشاہ نے کہا کہ میں نے حکم دے رکھا ہے کہ عاملوں اور عہدہ داروں کی اتنی تنخواہ مقرر کی جائے کہ ان کی آبرو سے گزر اوقات ہو جائے۔ اور اتنا جانتا ہوں کہ جس روز سے میں نے اس باب میں بندوبست کیا ہے، اور جب کوئی شخص کسی چیز پر از راہِ خیانت متصرف ہو جاتا ہے تو ہر قسم کی سختی اور عذاب کے ساتھ اس سے وہ چیز واپس لے کر خزانہ شاہی میں داخل کر لیتا ہوں۔ اس روز سے چوری اور خیانت بند ہے اور لالچیوں کی دست برد کم ہو گئی ہے۔

پھر بادشاہ نے پوچھا کہ ایام بادشاہی سے پہلے جو زر و مال میں نے دلاوری سے بزورِ شمشیر حاصل کیا تھا وہ میرا ہے یا بیت المال کا؟ قاضی نے عرض کیا کہ چونکہ بادشاہ نے یہ مال لشکرِ اسلام کی مدد سے حاصل کیا ہے، اس لیے یہ مال بیت المال کا ہے۔ فقط بادشاہ کا نہیں۔ اس پر بادشاہ برہم ہوا اور کہا کہ جو مال میں نے اپنی ملکی (گورنری) کے زمانے میں بڑی مشقت سے اُن ہندوؤں سے حاصل کیا ہے، جن کا نام و نشان بھی دہلی میں کوئی نہ جانتا تھا اور وہ خزانہ شاہی میں بھی داخل نہیں ہوا۔ وہ بیت المال کا حصہ کیسے ہوا! قاضی نے کہا کہ جو مال بادشاہ نے بہ نفسِ نفیس حاصل کیا وہ اس کا اپنا ہے اور جو مال فوج کی مدد سے حاصل ہوا اس میں سب شریک ہیں۔ پھر بادشاہ نے پوچھا کہ اچھا بیت المال میں میرا اور میرے متعلقین کا حصہ کس قدر ہے۔ قاضی نے کہا کہ اب بالضرور میری موت آگئی۔ چونکہ بادشاہ سلامت پہلے سوال کے جواب سے ہی آزردہ خاطر ہو چکے ہیں، اس لیے اس سوال کا جواب تو اور بھی ناگوار خاطر ہو گا۔ بادشاہ نے اس کی تشفی کی تو قاضی نے عرض کیا: اس میں تین طریق کار ہو سکتے ہیں۔ اوّل یہ کہ

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بادشاہ راہِ تقویٰ اختیار کرے اور خلفاے راشدین کے نقشِ قدم پر چلے۔ اس صورت میں اُسے اس مال میں سے فقط اس قدر لینا چاہیے جس قدر اس کے چاکروں کو ملتا ہے۔ اور جس طرح خداوندِ عالم نے عام سپاہیوں کے لیے دو سو چوبیس ۲۲۴ تنکے مقرر کیے ہیں۔ اسی طرح اپنے اور اپنے حرم کے نان و نفقہ کے لیے اتنی ہی رقم حضور خود بیت المال سے لیں۔ دوسرے اگر میانہ روی منظور ہو تو امرا و اراکینِ سلطنت کے برابر اپنے تصرف میں لائیں۔ یہ دونوں نہیں تو ان علماے دُنیا کی راے پر عمل کریں، جو بادشاہ کی عظمت پر نظر کر کے کہتے ہیں کہ بادشاہ بیت المال سے اس قدر لے سکتا ہے جس سے امرا اور اس کے درمیان امتیاز ظاہر ہو جائے۔ لیکن اس سے زیادہ لینا کسی طرح جائز نہیں۔

اس پر بادشاہ غضب ناک ہُوا اور کہنے لگا کہ تم میری تلوار سے نہیں ڈرتے جو یہ کہتے ہو کہ وہ زر و مال جو میرے محل میں جاتا ہے اور بطریقِ انعام اور دوسرے کاموں پر صرف ہوتا ہے سب ناجائز ہے۔ قاضی نے کہا کہ جب حضرت بادشاہ مجھ سے شرعی مسئلہ پُوچھیں تو میرا فرض ہے کہ مَیں شریعت کی کتابوں کے مُطابق عرض کروں، لیکن اگر آپ مجھ سے مُلکی مصلحت کے لحاظ سے سوال کریں تو مَیں یہی کہوں گا کہ جو کچھ بادشاہ کرتا ہے جائز اور قوانینِ مملکت داری کے عین مطابق ہے بلکہ اگر اس سے زیادہ بھی کرے تو بادشاہ کی شان و شوکت کا باعث ہو گا۔ اور اس سے کئی مُلکی فائدے ظاہر ہوں گے۔

اس کے بعد بادشاہ نے پُوچھا کہ مَیں جو ہر اُس سوار سے جو (لڑائی کے وقت) حاضر نہیں ہوتا، گذشتہ تین سال کی تنخواہ وصول کر لیتا ہوں۔ اور باغیوں اور فتنہ پردازوں کی اولاد اور متعلقین کو تہ تیغ کراتا ہوں۔ ان کے مال و اسباب کو خزانے میں داخل کرتا ہوں اور ان کے خاندانوں کو نیست و نابود کرتا ہوں اور دوسری سزائیں جو مَیں نے چوروں، شراب خوروں اور اہلِ زنا کے بارے میں اختراع کی ہیں، تمھارے نزدیک تو یہ سبھی نامشروع

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہوں گی۔ اس پر قاضی مجلس سے اٹھا اور پلے مجلس میں جاکر زمیں بوسی کر کے کہنے لگا کہ ہاں حضور یہ سب باتیں نامشروع ہیں۔

بادشاہ غضبناک ہوکر حرم سرائے میں چلا گیا اور قاضی بھی جلدی سے اپنے گھر گیا اور اہلِ خانہ کو الوداع کہہ کر اپنی موت کی تیاری کی۔ صدقہ دیا بلکہ غسلِ میّت بھی کر لیا، لیکن مثل مشہور ہے 'سچ کا خدا نگہبان' بادشاہ نے قاضی کو بلا کر اس پر بڑی مہربانی کی۔ اپنا خلعتِ خاص اُتار کر اسے پہنایا اور ہزار تنکہ انعام دے کر کہا کہ تم نے جو کچھ کہا وہ سچ ہے، لیکن میں جو کچھ کرتا ہوں مصلحتِ ملکی اور رفاہِ عامہ کے لیے ہے اور اس کے بغیر اس ملک میں چارہ نہیں۔

"وگفت کہ قاضی مغیث، من اگرچہ علمے وکتابے نخواندہ ام[1] امااز چندیں پُشت مسلمان ومسلمان زادہ ام واز برائے آنکہ بلغاکے نشود کہ در بلغاک چندیں ہزار آدمی کشتہ می شود بہر چیزیکہ درآں صلاحِ ملک وصلاحِ ایشاں باشد بر خلق امر می کنم ومردمان رہ دیدگی وبے التفاتی می کنند وفرمانِ مرا بجانمے آرند۔ مرا ضرورت می شود کہ چیزہائے درشت درباب ایشاں حکم کنیم کہ ایشاں بداں فرماں برداری کنند ونمی دانم کہ آں حکم ہا مشروع است ویا نامشروع۔ من در ہرچہ صلاحِ ملک خود می بینم ومصلحتِ وقت مرا دراں مشاہدہ می شود حکم می کنم ونمی دانم کہ خدائے تعالیٰ فردا قیامت برمن چہ خواہد کرد" (تاریخ فیروز شاہی ص ۲۹۵، ۲۹۶)

اس کے بعد قاضی سے کہا کہ اگر کوئی شخص چوری یا زنا کرے یا شراب پیئے تو مجھے کچھ نقصان نہیں پہنچتا، لیکن ان باتوں میں پیغمبروں کے احکام ہیں، جن کی تعمیل کراتا ہوں۔ پھر بھی بعض لوگ اتنے بے باک ہیں کہ سخت سزاؤں کے باوجود باز نہیں آتے۔ جب تک یہ لوگ اپنے افعالِ شنیعہ نہیں چھوڑتے میں درشت

---

[1] برنی میں ہے: "منکہ جاہلم وناخواندہ وناتویسندہ ام وبجز الحمد وقل ہو اللہ، دعائے قنوت والتحیات چیزے دیگر خواندن نمی دانم"۔ (تاریخ فیروز شاہی ص ۲۹۷)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سزائیں کس طرح ترک کر دوں!!

قاضی شمس الدین محدث کا سفر ہند

۱۳۰۸ء

برنی نے "محدث بے نظیر عالم" قاضی شمس الدین ترک کا ذکر بھی کیا ہے، جو سلطان علاء الدین خلجی کی شہرت سن کر حدیث کی چار سو کتابوں کے ساتھ ہندوستان آئے۔ ملتان تک پہنچے۔ یہاں شیخ بہاء الدین زکریا کے پوتے شیخ شمس الدین فضل اللہ کے مرید ہوئے، لیکن جب انھیں پتا چلا کہ علاء الدین نماز نہیں پڑھتا اور جمعہ کے لیے حاضر نہیں ہوتا تو وہیں سے ایک رسالہ لکھ کر بادشاہ کے پاس بھیجا اور ملتان سے ہی واپس چلے گئے۔ اس رسالے میں علاء الدین خلجی کی کئی خوبیوں کی بڑی تعریف کر کے انھوں نے لکھا کہ میں مصر سے بادشاہ اور اہل دہلی کی خدمت کے لیے آیا تھا تاکہ علم حدیث کو دہلی میں عام کروں اور انھیں "روایت دانشمنداں" (فقہا) سے نجات دلاؤں، لیکن جب یہاں آکر بادشاہ کی مذہب سے عدم دلچسپی کا حال معلوم ہوا اور یہ پتا چلا کہ اس نے قاضی حمید ملتانی جیسے شخص کو، جس کے باپ دادا کا پیشہ ہی رباخوری تھا، قضائے مملکت سپرد کر رکھی ہے اور قاضیوں کی نامزدگی میں احتیاط نہیں کرتا تو میں نے آگے آنا مناسب نہ سمجھا۔

(برنی ص ۲۹۷-۲۹۹)

مولانا اکبر خاں نے وضاحت کی ہے کہ یہ محدث عالم اصل میں مولانا شمس الدین ابن الحریری تھے۔ "جو مصر کے حنفی قاضی اور حضرت امام ابن تیمیہؒ کی حمایت کے سبب سے معزول کر دیے گئے تھے۔ ۷۰۸ھ میں بعہد سلطان علاء الدین خلجی ہندوستان آئے اور حدیث کی چار سو کتابیں ساتھ لائے۔ غالباً یہ سب سے پہلا قابل ذکر ذخیرۂ احادیث تھا، جو ہندوستان میں آیا..... (وہ) یہاں مولانا شمس الدین ترک کے نام سے مشہور ہوئے۔ (اس زمانے میں ہندوستان کے اندر مصری و رومی لوگوں کو حکومت سلجوقیہ کی وجہ سے ترک کہا جاتا تھا...) [آئینہ حقیقت نما جلد اول ص ۲۲۴]

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

برنی نے یہ بھی لکھا کہ علاء الدین کے دبیر نے قاضیِ ممالک کی طرف داری کرتے ہوئے مولانا شمس الدین کا رسالہ وغیرہ سلطان تک پہنچنے نہ دیا۔ بعد میں اسے سعد منطقی نے اس کے متعلق اطلاع دی۔ چنانچہ اس نے رسالہ منگا کر دیکھا مولانا کی واپسی پر افسوس کیا اور دبیر کے خلاف تنفر کا اظہار کیا۔ (ص ۲۹۹)

خاندان خلجی کا خاتمہ

سلطان علاء الدین خلجی میں بعض واضح نقائص کے باوجود کئی بڑی خوبیاں بھی تھیں لیکن مطلق العنان طرزِ حکومت میں جو خرابیاں بالعموم پیدا ہو جاتی ہیں، وہ بالآخر یہاں بھی شروع ہوئیں اور سلطان علاء الدین کا انجام بڑا عبرت ناک ہوا۔ مسلسل کامیابیوں (بالخصوص دکن میں ملک کافور کی عدیم النظیر فتوحات) نے بادشاہ کا دماغ آسمان پر پہنچا دیا۔ اب وہ کوئی اختلاف رائے برداشت نہ کرتا۔ آہستہ آہستہ اس کی مجلس ملک علاء الملک جیسے خیر خواہ اور نمک حلال مشیروں سے خالی ہو گئی۔ اس کے علاوہ بادشاہ اپنے سپہ سالار ملک کافور کا اتنا والہ و شیدا ہو گیا کہ اس کی ہر بات پر آمنا و صدقنا کہتا اور ملک کافور نے اس اثر کا ناجائز فائدہ اٹھایا۔ بادشاہ ان دنوں ایک مہلک اور سخت تکلیف دہ بیماری[1] میں مبتلا ہوا۔ جس نے اس کی رائے روشن اور عقلِ سلیم پر بھی اثر ڈالنا شروع کیا۔ بقول عصامی ؎

غرض چوں شہنشاہِ پرہیزگار — شد از زورِ زحمت نحیف و نزار
بدانست "ایں دردِ من لادواست" — زافزودنِ درد عقلش بکاست
بلے مردم از درد شیدا شود — درو غفلت و سہو پیدا شود

لیکن اس کی بیوی ملکہ جہاں اور ولی عہد خضر خان کو اپنی رنگ رلیوں سے کام تھا ملکہ جہاں کو ان دنوں اپنے پوتوں کے ختنوں اور عقیقہ کے جشنوں کے سوائے جو آئے دن نئے طریقوں سے جاری ہوتے اور کسی چیز سے دلچسپی نہ تھی۔

---

[1] سیر الاولیا میں لکھا ہے کہ علاء الدین مرض استسقا میں مبتلا ہوا۔ (ص ۵۴۴)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شہزادہ خضر خاں بھی سوائے مجلس آرائی و شراب خوری و چوگان بازی و رقص و سرود کے اور کسی طرف توجہ نہ کرتا۔ بادشاہ یہ باتیں دیکھتا اور دل میں رنجیدہ ہوتا کہ اس کی بیماری سے کوئی متاثر نہیں۔ اس سے ملک کافور کو موقع ملا کہ وہ بادشاہ کو اس کے عزیزوں کے خلاف بھڑکا کر اپنے منصوبے پورے کرے۔ چنانچہ اس نے خضر خاں اور ملکہ جہاں کو قید اور ملکہ جہاں کے بھائی الپ خاں کو قتل کرا دیا۔ اور بادشاہ اس اثنا میں آٹھ جنوری ۱۳۱۶ء کو وفات پا گیا۔

علاء الدین کی وفات کے دوسرے روز ملک کافور نے ایک بادشاہی فرمان دکھایا جس کے مطابق خضر خاں معزول ہو کر خورد سال شاہزادہ شہاب الدین عمر بادشاہ ہوا۔ چنانچہ خضر خاں اور اس کے بھائی شادی خاں کی آنکھوں میں سلائی پھیر کر انھیں اندھا کر دیا گیا اور ایک تیسرے شہزادے مبارک خاں کو اندھا کرنے کے لیے آدمی گئے تھے کہ اس شہزادے نے انھیں اپنے والد کے حقوق یاد دلا کر اور انعام و اکرام کا لالچ دے کر ملک کافور کے خلاف آمادۂ عمل کر دیا۔ چنانچہ انھوں نے واپس جا کر ملک کافور اور اس کے ساتھیوں کو قتل کیا اور شہزادہ مبارک سلطان قطب الدین مبارک شاہ کے نام سے تخت نشین ہوا۔

سلطان قطب الدین مبارک شاہ کی ابتدا اچھی تھی لیکن جلد ہی اس پر نامبارک اثرات غالب آنے لگے۔ جب چند امیروں نے ایک خورد سال شہزادے کو بادشاہ بنا کر بغاوت کا اہتمام کیا تو قطب الدین نے نہ صرف باغیوں اور شہزادے کو سزا دی بلکہ اپنے بھائی خضر خاں اور شادی خاں کو قتل کروا دیا۔ اور جب تخت کے سارے دعویدار ختم ہو گئے تو بری طرح عیاشی اور ہوا پرستی پر کمر باندھی۔ بادشاہ بالعموم اہلِ نشاط کی محفل میں رہتا۔ گاہے گاہے دربار میں زنانہ کپڑے پہن کر آتا اور درباری مسخرے اور بھانڈ معزز امرا اور درباریوں کا تمسخر اڑاتے۔ قطب الدین نے اپنا دین و ایمان ایک نیچ ذات کے نومسلم غلام خسرو خاں کے ہاتھ میں دے رکھا تھا۔ اس نے دربار اور محل میں اپنی قوم کے آدمی بھرتی

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کر لیے اور جب یہ سلسلہ مکمل ہو گیا تو تختِ شاہی کی ہوس میں قطب الدین کا خاتمہ کر دیا۔

یہ واقعہ ۱۴ اپریل سنہ ۱۳۲۰ء کا ہے۔ اس کے بعد خسرو اور اس کے ساتھیوں نے محلسرا میں داخل ہو کر خاندانِ علائی کے بچے بچے کو قتل کروا دیا اور من اقل تا آخر اس خاندان کا صفایا کر دیا۔

عہدِ علائی میں علم و ادب

خاندانِ خلجیہ کی کل مُدتِ حکومت چالیس سال سے بھی کم تھی۔ لیکن جس طرح اس زمانے میں اسلامی حکومت کو انتہائی توسیع نصیب ہوئی۔ اِسی طرح دورِ مُغلیہ سے پہلے علم و ادب کو بھی سب سے زیادہ رونق انھی ایام میں تھی۔

دورِ خلجی کا پہلا بادشاہ (جلال الدین) خود شاعر تھا اور اسے شعر و شاعری سے بڑی دلچسپی تھی بلکہ اس کے مخالفین کہا کرتے تھے کہ بادشاہ کو شعر و شطرنج کے سوا کسی اور چیز سے رغبت نہیں اور اب وہ بادشاہت کے قابل نہیں رہا ہندوستان کے اس پہلے شاعر بادشاہ کے کئی اشعار کتبِ تواریخ میں درج ہیں۔ ایک بڑی شوخ رباعی ہے ؎

آں زلفِ پریشانت ژولیدہ نمی خواہم — واں رُوے چو گلنارت تفسیدہ نمی خواہم
بے پیرہنت خواہم یک شب بکنار آئی — ہاں بانگِ بلند است ایں پوشیدہ نمی خواہم!

ایک دفعہ جب وہ قلعۂ گوالیار کا محاصرہ کر رہا تھا تو اس نے ایک عظیم الشان عمارت تعمیر کرائی اور اس کے متعلق خود ایک رُباعی لکھی ؎

مارا کہ قدم بر سرِ گردوں ساید — از تودۂ سنگ و گل چہ قدر افزاید
ایں سنگِ شکستہ زاں نہادیم درست — باشد کہ دلِ شکستہ ما آساید

برنی نے عہدِ جلالی کی شاعرانہ مجلسوں اور بے تکلف صحبتوں کو بڑی حسرت سے

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور مزہ لے لے کے یاد کیا ہے اور ان کی تفصیلات درج کتاب کی ہیں۔

"اور ہر روز امیر خسرو اس مجلس میں نئی نئی غزلیں لاتے۔ بادشاہ امیر خسرو کی غزلوں کو بڑا پسند کرتا تھا اور انھیں گراں قدر انعام دیتا۔ بادشاہی مجلس کے ساقی پسران ہیبت خاں اور نظام خریطہ دار اور یلدز سرساقی تھے اور ان کا حسن و جمال کچھ ایسا تھا کہ ہر زاہد و عابد جو ان کے چہرے پر نظر کرتا، زنار گلے میں باندھ لیتا اور مصلے کو بوریائے خمار خانہ بناتا اور ان بے بدل ہستیوں کے عشق میں بدنامی اور رسوائی قبول کرتا۔ مجلس شاہی کے مطربوں میں محمد چنگی باجا بجاتا اور فتوحا اور نصرت خاتون گانا گاتیں اور ان کی میٹھی اور سُریلی آواز سے مسحور ہو کر مرغان ہوا زمین پر اتر آتے۔ کنیزان خاصہ نصرت بی بی اور مہر افروز کے حسن و جمال اور ناز و نخرے کا یہ عالم تھا کہ جس طرف وہ دیکھتیں اور جو کرشمہ و غمزہ وہ برساتیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہر طرف نمک پاشی ہو رہی ہے۔ وہ بادشاہ کی مجلس میں رقص کرتیں اور جو کوئی ان کی پاکوبی اور ناز و نخرے کو دیکھتا یہی چاہتا کہ اپنی جان ان پر نثار کرے اور تمام عمر ان کے زیرِ پا سے اپنی آنکھیں نہ اٹھائے!! (ترجمہ از تاریخ فیروز شاہی ص ۱۹۹)

سلطان جلال الدین کے بعد علاء الدین تخت نشین ہوا۔ وہ جابر اور خشک قسم کا دنیادار بادشاہ تھا۔ اس نے اپنے دربار سے شعر خوانی اور رقص و سرود کا سلسلہ اٹھا دیا۔ اس سے پہلے امیر خسرو کو مصحف داری کی خدمت سپرد تھی۔ لیکن یہ خدمت برائے نام تھی اور عطیۂ شاہی کے لیے بہانہ۔ امیر فی الحقیقت ملک الشعرا[1] تھے اور ان کا کام شاہی مجلسوں کو اپنے اشعار سے گرم کرنا تھا۔

علاء الدین نے برسرِ حکومت ہو کر حکم دیا کہ ہر ایک شخص اپنے فرائض پوری طرح ادا کرے اور معینہ خدمات بجا لائے۔ امیر خسرو بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے۔

---

[1] برنی لکھتا ہے "اگر چہ امیر خسرو در عہد محمود و سنجر پیدا آمدے ظاہر و غالب آنکہ بادشاہان ولائتے و اقطاعے بدو انعام دادندے و اورا در مجلس خود مکرم و مبجل داشتندے و امیر خسرو ایں چنیں (باقی اگلے صفحے پر)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ انھوں نے ایک طویل نظم میں شکایت کی ہے کہ دن اور رات مجھے دربار میں کھڑا رہنا پڑتا ہے۔ میں تلاشِ مضمون کے لیے وقت کس طرح نکالوں اور تلاش و محنت کے بغیر جو اشعار لکھے جائیں ان میں حلاوت اور گہرائی کہاں سے آئے!

بادشاہ کی شعر و سخن میں اس قدر دلچسپی تھی، لیکن خدا کی شان ہے کہ علم و ادب کی ترقی کے لحاظ سے یہ زمانہ عہدِ اکبری کا ضیمہ پیش رَو ہے۔ امیر خسرو کا مشہور خمسہ اسی دَور میں لکھا گیا اور امیر خسرو کے علاوہ امیر حسن اور ضیاء الدین برنی اس زمانے میں زندہ تھے۔ ان تینوں کے علاوہ برنی لکھتا ہے:۔

"وصدرالدین عالی و فخرالدین قواس و حمید الدین راجا و مولنا عارف و عبید حکیم و شہاب انصاری و صدر بستی کہ شعرائے عصرِ علائی بودند واز دیوان عرض مواجب شاعری مے یافتند و ہر یکے را در نظم شیوہ و طرزے بودے و دیوانہا دارند و نظم و نثر ایشاں براوستادی و شاعری ایشاں حاکی است" (ص ۳۶۰-۳۶۱)

افسوس ہے کہ ان صاحبِ دیوان شعرا کے اب نام ہی نام باقی ہیں، ان کا کلام نہیں ملتا۔ ان میں سے عبید حکیم کا دیوان اگر مل جائے تو ضرور دلچسپ ہو۔ برنی لکھتا ہے کہ سعد منطقی اور عبید حکیم کی صحبت نے محمد تغلق کو مذہب کے معاملے میں آزاد خیال و متشکک بنا دیا تھا اور اب وہ منقولات میں سے انھیں باتوں کا قائل ہوتا جو عقل کے ترازو پر ٹھیک اُترتیں۔ عبید نے امیر خسرو کے خمسہ پر کئی جگہ طنز کیا ہے۔ ایک شعر بدایونی نے نقل کیا ہے ؎

غلط اُفتاد خسرو را زِ خامی
کہ سکبا[۱] بخت در دیگِ نظامی

:مدہ شعرا و فضلائے سلف و خلف را ہمیں یک ہزار تنکہ مراجب دادے و در پیش خود مبجل و مکرّم نگہ داشتے حق احتشام و محافظت نکردے"۔ (تاریخ فیروز شاہی ص ۳۶۶)

[۱] سکبا یعنی کئی گوشتوں کا شوربا۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ایک اور جگہ کہتا ہے ؎

دوش دیدم نظامی اندر خواب | گوئیا شستہ خمسہ رامے شست
گفتم اے شیخ! از چہ مے شوئی | اے بزرگِ زمانہ پشت بہ پشت
گفت از ننگِ خسرو لاچین | کو چہ داند جواب خمسہ گفت

امیر خسرو نے اس کے جواب میں لکھا ؎

دوش دیدم نظامی اندر خواب | بر دہانِ عبید مے زد مشت
گفتم اے شیخ از چہ رنجیدی | چہ گنہ کرد ایں خبیث درشت
گفت بنگر چہ افترا کردہ است | خمسۂ خویش را نظامی گشت
بد ویدم بپایش افتادم | ورنہ ایں سفلہ را بجامی کشت

اسی طرح کئی مورخین تھے، جن کی تصانیف کا اب کچھ پتا نہیں چلتا مثلاً کبیر الدین پسر تاج الدین عراقی (در تالیف نثر عربی و پارسی ید بیضا مے نمود و در فتح نامہ مجلدات پرداختہ است و دادِ نثر نویسی دادہ) برنی کے بیان سے خیال ہوتا ہے کہ عہدِ علائی میں بلکہ اس سے پہلے بھی دہلی میں کثرت سے اہلِ قلم موجود تھے۔ (وجملہ دارالملک دہلی چہ در عصرِ علائی و چہ پیش از عصر علائی و بعد از و مصنفان و مولفان و شاعران و فاضلانِ بسیار بودہ اند و ہستند) لیکن ہم اب ان کی تصنیفات اور احوالِ زندگی سے ناواقف ہیں۔ ہماری ابتدائی ادبی زندگی کا یہ افسوس ناک واقعہ ہے کہ اس عہد کے بیشتر کارناموں کو زمانے کی دستبرد نے صفحۂ ہستی سے محو کر دیا۔ صرف صوفیہ کے تذکروں، بعض تاریخی کتب اور امیر خسرو کی تصنیفات کے ساتھ مروّت کا سلوک ہوا ہے۔ اور ان سے ہم محروم نہیں رہے، لیکن شعر و ادب اور کتبِ تاریخ کا بیشتر حصہ تلف ہو گیا۔

شعرا اور ادبا کے علاوہ برنی کا بیان ہے کہ عہدِ علائی میں مذہبی عالم بھی کثرت سے تھے۔ "در تمامی عصرِ علائی در دارالملک دہلی علمائے بودند کہ آں چناں

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اُستادان کہ ہریکے علامۂ وقت و در بخارا و در سمرقند و بغداد و مصر و خوارزم و دمشق و تبریز و صفاہان و ری و روم و در ربع مسکون نباشد و در ہر علمے کہ فرض کنند، از منقولات و تفسیر و فقہ و اصولِ دین و نحو و لفظ و لغت و معانی و بدیع و بیان و کلام و منطق موے مے شگافتند و ہر سالے چندیں طالبانِ علم از اُستادان سر آمدہ بدرجہ افادات می رسیدند و مستحق جواب دادن فتوے می شدند و بعضے ازاں اُستاداں در فنون علم و کمالات علوم بدرجہ غزالی و رازی رسیدہ بودند چنانکہ .... (ص ۳۵۲)

برنی نے اس کے بعد کوئی چھیالیس علما کے نام گنائے ہیں۔ ان میں شاید ایک کی بھی کوئی علمی یادگار اس وقت نہیں۔ اور فی الحقیقت یہ بزرگ معلمین اور مدرسین کے طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ عہدِ علائی میں حضرت سلطان المشائخ، امیر خسرو، امیر حسن اور خود برنی کی موجودگی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ علم و فضل کا معیار بہت بلند ہوگا۔ لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اس زمانے میں چھیالیس غزالی یا رازی یا شاید ایک دو بھی شاہ ولی اللہؒ موجود تھے۔ اس زمانے کے حالات دیکھنے سے خیال ہوتا ہے کہ عام علم دوستی اور اہلِ علم کی کثرت کے باوجود، فنِ طباعت کے رائج نہ ہونے کی وجہ سے کتابوں کی کثرت نہ تھی اور صحتِ علمی اور تحقیقات کو بدرجۂ کمال تک پہنچانا مشکل تھا۔ اس کے علاوہ اعتقاد و محبت کا زور تھا۔ تنقیدی نقطۂ نظر ابھی عام نہ ہوا تھا۔ جو لوگ عبید منطقی کی طرح معقولات کے قائل تھے، وہ تخریبی کوششوں یا خیالی بوالعجبیوں میں گرفتار تھے اور عوام ہر ایک بات پر آمنا و صدقنا کہتے تھے۔ محدثوں کا طریقہ جس کے مطابق روایات کو کڑے تنقیدی نقطۂ نظر سے پرکھتے تھے۔ ابھی تک مذہبی حلقوں میں عام نہ ہوا تھا۔

علما و مشائخ کے ضمن میں خواجہ ضیاء الدین سنامی کا ذکر یہاں ضروری ہے جو نصاب الاحتساب کے مصنف تھے اور شدت سے احکامِ شرعی پر عامل تھے۔ کہتے ہیں کہ شیخ شرف الدین بو علی قلندرؒ کی مونچھیں بہت بڑھی

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہوئی تھیں۔ کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ ان سے مونچھوں کے کٹوانے کی فرمائش کرتا۔ خواجہ صاحب کو پتا چلا تو قینچی لے کر پہنچے اور اپنے ہاتھ سے قلندر صاحب کی مونچھیں کاٹ دیں۔ وہ سماع کی بنا پر حضرت سلطان المشائخ پر معترض تھے۔ لیکن ان کے زہد و تقوے اور دیانت داری کی وجہ سے حضرت سلطان المشائخ ہمیشہ ان کا ادب کرتے تھے۔ جب وہ مرض الموت میں مبتلا تھے تو حضرت شیخ عیادت کے لیے گئے۔ خواجہ صاحب نے اپنی پگڑی سلطان المشائخ کے پاؤں میں ڈال دی اور اپنی درشتی اور سخت گیری کی معافی چاہی۔ سلطان المشائخ نے پگڑی اٹھا کر اپنی آنکھوں سے لگائی اور جب خواجہ ضیاء الدین وفات پا گئے تو آنکھوں میں آنسو بھر کے کہنے لگے "یک ذات بود حامی شریعت حیف کہ آں نیز نماند۔" (اخبار الاخیار)

امیر حسن سنجری
(وفات ۱۳۳۷ء)

اس زمانے کی ایک اور برگزیدہ ہستی جسے حضرت سلطان المشائخ کی روحانی عظمت نے مسخر کیا، امیر حسن سنجری تھے۔ وہ امیر خسرو کی طرح شاعر تھے اور دونوں میں کمال دوستی تھی۔ بلکہ مشہور ہے کہ جب ایک دفعہ خانِ شہید نے انھیں ایک دوسرے سے ملنے سے منع کر دیا اور اس حکم کی خلاف ورزی پر ان میں سے ایک کے ہاتھ پر تازیانے لگائے گئے تو ان تازیانوں کے نشان دوسرے کے ہاتھ پر بھی نظر آتے تھے۔ امیر حسن کا پورا نام خواجہ نجم الدین حسن سنجری تھا۔ چونکہ ان کے بزرگ سیستان یا سجستان کے رہنے والے تھے اس لیے سنجری کہلاتے تھے۔ ان کے والد کا نام علاء الدین حسن تھا۔ آپ امیر خسرو کی پیدائش سے ایک سال پہلے ۶۵۱ھ میں پیدا ہوئے۔ بڑے ہو کر امیر خسرو کے ساتھ خان شہید کی ملازمت اختیار کی۔ جب خان شہید مغلوں کے ساتھ معرکہ میں مارا گیا اور امیر خسرو نے بڑا پُر درد مرثیہ لکھا تو امیر حسن نے بھی فارسی نثر میں اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ آپ کی سب سے مشہور تالیف فوائد الفواد ہے۔ جس میں آپ نے اپنے مرشد کے

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ملفوظات قلمبند کیے۔ جتنی شہرت اس کتاب کو ہوئی ہے، اسلامی ہند و پاکستان کے کسی ملفوظات کے مجموعے کو نصیب نہیں ہوئی۔ اور مشہور ہے کہ امیر خسرو کہا کرتے تھے کہ کاش حسن میری ساری تصانیف لے لے اور ان کے بدلے یہ کتاب مجھ کو دے دے۔ آپ ویرانیٔ دہلی کے وقت زندہ تھے اور سلطان محمد بن تغلق کے حسب الحکم آپ کو دہلی چھوڑ کر دولت آباد جانا پڑا۔ یہیں ۷۳۸ھ میں آپ کی وفات ہو گئی۔ مزار دولت آباد سے چند میل کے فاصلے پر خلد آباد میں ہے۔ عوام الناس میں مشہور ہے کہ جو کوئی اس مزار کی دہلیز کو بوسہ دیتا ہے اس کا ذہن کھل جاتا ہے۔ اور وہ نوشت و خواند میں جلد ترقی کرتا ہے۔ حسن کا ضخیم فارسی دیوان حیدر آباد دکن میں چھپ چکا ہے اور ارمغان پاک میں ہم نے اس سے طویل اقتباسات منتخب کیے ہیں۔

طوطیٔ ہند امیر خسرو

ہندو پاکستان نے چار بلند پایہ فارسی شاعر پیدا کیے ہیں۔ خسرو، فیضی، غالب اور اقبال۔ ان میں خسرو ہی ایک ایسا شاعر تھا جس کا مرتبہ اہلِ زبان بھی تسلیم کرتے تھے۔ مولانا جامی ان کی نسبت بہارستان میں لکھتے ہیں:۔

امیر خسرو دہلوی علیہ الرحمۃ در شعر مستثنیٰ است۔ قصیدہ و غزل و مثنوی ورزیدہ و ہمہ بکمال رسانیدہ۔ تتبع خاقانی مے کند۔ ہر چند در قصیدہ بہ وے نرسیدہ، اما غزل را از وے گزرانیدہ۔ غزلہاے وے بواسطۂ معانی آشنائی کہ اربابِ عشق و محبت بحسبِ ذوق و وجدان خود را مے یابند مقبول ہمہ کس افتادہ است۔ خمسۂ نظامی را برابر وے کسے جواب نگفتہ۔ و ورائے آں مثنوی ہاے دیگر دارد ہمہ مطبوع و مصنوع"۔

امیر خسرو جن کا پورا نام ابوالحسن یمین الدین اور تخلص خسرو تھا۔ ۱۲۵۳ء میں

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پٹیالی میں (جو اب ضلع ایٹہ کمشنری آگرہ میں چھوٹا سا قصبہ ہے) پیدا ہوئے۔ ان کے والد امیر سیف الدین محمود ترکستان سے ہندوستان آئے تھے۔ اور والدہ ایک نومسلم رئیس کی بیٹی تھیں۔ شاعری کا جذبہ فطری تھا۔ بچپن ہی سے شعر کہتے تھے۔ پندرہ برس کی عمر میں تمام درسی علوم وفنون سے فراغت حاصل کر لی اور دربارِ بلبن کے ایک ممتاز رکن ملک کشلو خان یا کشلو خان المعروف بہ ملک چھجو کے پاس جا کر ملازم ہوئے۔ اس کی تعریف میں آپ نے کئی قصیدے لکھے ؎

صبح را گفتم کہ خورشیدت کجا است
آسماں روئے ملک چھجو نمود!

اس کے بعد بلبن کا بیٹا بغرا خان آپ کو بنگال لے گیا۔ بغرا خاں اور اس کے میر منشی شمس الدین دبیر نے آپ کو بنگالہ میں ہی روکنا چاہا۔ لیکن آپ نے قبول نہ کیا۔ وہاں سے رخصت لے کر واپس آئے۔ (۱۲۸۰ء) اور بلبن کے دوسرے بیٹے خان شہید کے ملازموں میں داخل ہوئے اور اس کے ساتھ ملتان میں جو اس وقت دہلی کے بعد علم وادب کا سب سے بڑا مرکز تھا، تشریف لے گئے۔ وہاں پانچ سال کے قریب ان کا قیام رہا۔ ۱۲۸۵ء میں شاہزادہ مغلوں کے ہاتھوں شہید ہوا اور ایک تاتاری نے امیر خسرو کو بھی گرفتار کر لیا اور ان سے ایک عام مزدور کا کام لینا شروع کیا ؎

منکہ بر سر نے نہادم گل   توبرہ بر نہاد و گفتا جل

پتا نہیں اس بلا سے کس طرح رہائی پائی۔ اور پٹیالی پہنچ کر ماں کے دیدار سے شاد کام ہوئے۔ اس کے بعد دہلی آئے اور بلبن کے دربار میں پہنچ کر خان شہید کا جو پُر درد مرثیہ لکھا تھا وہ پڑھا ؎

واقعہ ہست ایں یا بلا از آسماں آمد پدید
آفت است ایں یا قیامت در جہاں آمد پدید

دربار میں کہرام مچ گیا۔ بلبن اتنا رویا کہ بخار آگیا۔ اور بالآخر اسی صدمے اور

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بخارا سے تیسرے روز انتقال کیا۔ (شعر العجم)

بلبن کی وفات کے بعد اس کی خواہش کے خلاف کیقباد کو تخت نشین کیا گیا۔ اس کا وزیر ملک نظام الدین امیر کے خلاف تھا۔ لیکن بادشاہ خود امیر کا مداح تھا ؎

زشاہاں کسے کا دلم کرد یاد　　معز الدنا بود شاہ کیقباد

اس نے امیر سے استدعا کی کہ اس کی اور اس کے والد بغرا خاں کی ملاقات کا حال نظم میں بیان کریں چنانچہ ۱۲۸۹ء میں قران السعدین تصنیف ہوئی لیکن اگلے سال کیقباد نے دُنیا کو خیرباد کہا اور سلطان جلال الدین خلجی تخت نشین ہُوا۔ یہ بادشاہ شاعر اور شعر فہم تھا۔ اس نے معقول مشاہرہ دے کر خسرو کو ندیم خاص بنایا اور مصحف داری اور امارت کا عہدہ اور ملبوسِ خاص عطا کیا۔ امیر خسرو کو جو امیر[1] کہا جاتا ہے، اس کی ابتدا اسی زمانے سے ہوئی۔ خسرو نے جلال الدین کی تاج پوشی اور اس کے دیگر حالات کو مفتاح الفتوح میں نظم کیا۔ لیکن ۱۲۹۵ء میں علاء الدین نے جلال الدین کو مروا ڈالا اور خود تخت نشین ہُوا۔ خسرو نے اس کی فتوحات کو بھی نثر کی ایک کتاب خزائن الفتوح میں بالتفصیل بیان کیا ہے۔ نیز خمسۂ نظامی کے جواب میں جو پانچ مثنویاں لکھیں وہ بھی سب سلطان علاء الدین کے نام معنون ہیں۔ اسی بادشاہ کے ولی عہد خضر خاں اور دیول رانی

---

[1] عہدِ مغلیہ سے پہلے اعلےٰ شاہی عہدہ داروں کے تین مراتب ہوتے تھے۔ (۱) خان (جن میں سب سے بڑے کو اُلغ خان یا خانِ خاناں کہا جاتا) (۲) ملک اور (۳) امیر۔ بعض بیانات کے مطابق ترتیب یہ تھی:-

دس سواروں کا افسر ——— سرخیل، سو سواروں کا افسر ——— سالار،
ہزار سواروں کا افسر ——— امیر، دس ہزار سواروں کا افسر ——— ملک،
لاکھ سواروں کا افسر ——— خان،

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے عشق کی کہانی بھی ایک مثنوی بنام عشقیہ میں بیان ہوئی ہے۔ (۱۳۱۶ء)

علاء الدین کا بیٹا قطب الدین مبارک شاہ ایک عیاش اور سبک سر بادشاہ تھا۔ لیکن امیر خسرو کی قدر دانی میں وہ سب سے بڑھ گیا۔ خسرو نے جب ۱۳۱۸ء میں مثنوی نہ سپہر اس کے نام پر لکھی تو اس نے ہاتھی برابر تول کر روپے دیے۔ لیکن وہ جلد ہی مارا گیا۔ اور اس کا نیم مسلم غلام خسرو خاں تخت پر قابض ہو گیا۔ مگر اسے چار ماہ سے زیادہ حکومت کرنا نصیب نہ ہوا۔ اور سلطان غیاث الدین تغلق تخت نشین ہوا۔ وہ بھی امیر خسرو کا مربی تھا اور امیر نے تغلق نامہ میں سلطان اور خسرو خاں کی کشمکش کا حال لکھا ہے۔

امیر خسرو اور حضرت سلطان المشائخ

جب اخیر عمر میں سلطان غیاث الدین تغلق لکھنوتی (بنگالہ) گیا تو امیر خسرو بھی ساتھ تھے۔ اور وہاں کچھ عرصہ کے لیے رُک گئے۔ اس عرصے میں خبر مشہور ہوئی کہ ان کے مُرشد[1] خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے انتقال کیا۔ امیر بہ تعجیل تمام روتے پیٹتے دہلی پہنچے اور مزار مقدس حضرت سلطان المشائخ پر حاضر ہوئے ؎

جامہ دراں، چشم چکاں، خونِ دل رواں!

اور کہا، کہ مسلمانو! مَیں کون ہوں جو ایسے بادشاہ کے لیے روؤں۔ میں تو اپنے لیے روتا ہوں کہ سلطان المشائخ کے بعد میرا بھی خاتمہ ہے[2]۔ چنانچہ اپنے مُرشد سے چھ مہینے بعد۔ ار نومبر ۱۳۲۴ء کو اِس دارِ فانی سے عالمِ بقا کی طرف رحلت کی۔ اور مُرشد کے پائیں مزار دفن ہوئے۔

امیر خسرو ایک بڑے عابد اور اہل اللہ شاعر تھے۔ سیر الاولیا میں لکھا ہے کہ ہر رات تہجد کے وقت کلام اللہ کے سات سیپارے پڑھتے اور برتی بھی ان کی

---

[1] امیر آٹھ سال کی عمر سے شیخ کی خدمت میں آتے جاتے تھے۔ بیس سال کی عمر میں بیعت کی۔

[2] سیر الاولیا (فارسی) م ۳۰۵

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نسبت لکھتا ہے :۔

و مع ذالک الفضل والکمال والفنون والبلاغ صوفی مستقیم الحال بود و بیشتر عمرِ او در صیام و قیام و تعبد و قران خوانی گزشتہ است و بطاعاتِ معتدبہ و لازمہ یگانہ شدہ بود۔ و دائم روزہ داشتے و از مریدان خاصہ شیخ بود و آنچناں مریدِ معتقد من دیگرے ندیدہ ام (تاریخ فیروز شاہی ص ۳۵۹)

امیر خسرو کو اپنے مُرشد اور حضرت سُلطان المشائخ کو اپنے مرید سے بڑی محبت تھی۔ خواجہ صاحب انھیں "ترک" یا "ترک اللہ" کہہ کر پکارتے۔ ہر روز عشا کی نماز کے بعد جب شیخ مجلس برخاست کر دیتے اور خلوت خاص میں چلے جاتے تو امیر خلوت میں جانے کے مجاز تھے۔ اور اس موقع پر جس کو کوئی گزارش کرنی ہوتی وہ امیر کی وساطت سے پیش کرتا۔ چنانچہ جب ایک دفعہ سلطان المشائخ شیخ بُرہان الدین غریب سے ناراض تھے تو انھوں نے امیر خسرو کی معرفت ہی عرض معروض کر کے اپنی خطا بخشوائی۔

حضرت سلطان المشائخ کو امیر کی شاعری سے بڑی دلچسپی تھی۔ جب وہ ابتدائے حال میں امیر خسرو کے نانا راوت عرض کے ہاں مقیم تھے تو امیر خسرو ہر روز اپنے اشعار انھیں سُناتے۔ ایک مرتبہ انھیں سلطان المشائخ نے فرمایا، "طرزِ صفاہانیاں بگو۔ یعنی عشق انگیز و زُلف و خال آمیز"[1]۔ چنانچہ امیر خسرو نے اس کے بعد عام شاعرانہ خوبیوں کو پیشِ نظر رکھ کر شاعری شروع کی۔ اور اسے درجۂ کمال تک پہنچا دیا۔ سلطان المشائخ کی ایک رباعی بھی اپنے خوش قسمت مرید کی نسبت سیر الاولیا میں نقل ہوئی ہے ؎

خسرو کہ بنظم و نثر مثلش کم خاست — ملکیست ملک سخن آن خسرو راست
ایں خسروِ ماست ناصر خسرو نیست — زیرا کہ خدائے ناصر خسروِ ماست

---

[1] سیر الاولیا ص ۳۰۱

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مقامی رنگ

امیر خسرو کو اپنی والدہ سے بڑی محبت تھی۔ اور وہ غالباً ہندو الاصل تھیں[1]۔ امیر کو ہندو مذہب سے خاص واقفیت اور اپنے وطن کی ہر چیز سے بڑا اُنس تھا۔ تذکروں میں ان کی ایک تصنیف مناقب ہندوستان کا نام آتا ہے۔ یہ کتاب تو اب عنقا ہے لیکن امیر کی دوسری تصانیف میں ان کے جذباتِ دلی صاف چھلک پڑے ہیں۔

ہندوستانی تشبیہیں اور ہندوستانی مضامین تو ان کی تصانیف میں کثرت سے ہیں۔

زہے خرامش آں نازنیں بہ عیاری　　　کبوترے بہ نشاط آمدہ است پنداری

لیکن مثنویوں میں کئی جگہ اُنھوں نے بالتفصیل ہندوستانی چیزوں کا دُوسرے مُلکوں کی چیزوں سے مقابلہ کیا ہے اور اپنے وطن کی فوقیت ظاہر کی ہے۔ مثنوی عشقیہ جسے (دیول رانی خضر خاں بھی کہتے ہیں) میں انھوں نے ایک باب سیرِ باغ کا رکھا ہے۔ اس میں چمپا، کیوڑہ، مولسری، کرنہ، جوہی اور دوسرے پھولوں کی تعریف کر کے لکھا ہے کہ اگر ہمارے پھول روم یا شام میں اُگتے اور ان کے عربی فارسی نام ہوتے تو اہلِ خطہ ان کی تعریف میں آسمان سر پر اُٹھا لیتے۔

---

[1] اپنے نانا کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ سیاہ رنگت کے تھے ؎

زنسلِ عارضِ اسود منم آں نسختِ معنی　　　کز اصلِ خویشتن یک یک نشانے باز دادم من

وہ پان کے بہت شائق تھے۔ چالیس پچاس نوکران کے ہاں پان بنانے اور پان کھلانے پر مامور تھے۔ امورِ مُلکی میں ان کا طریقہ صلح پسندی کا تھا۔ اور وہ اس قدر کامیاب سیاستدان تھے کہ وہ ہر ہندو راجا (رائے) کو الٹ کر حکومت کا وفادار ساتھی (یار) بنا سکتے تھے۔ ان کے پاس دو سو ترک اور دو ہزار ہندوستانی غلام تھے۔ امیر خسرو کو ان پر بڑا ناز تھا ؎

خساں رامے کنم غرق و گہر را میدہم جبرو　　　اناں ابرِ سیاہ بیں طرفہ دریائے کرزادم من

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

چہ بینی ارغوان و لالہ خنداں — کہ رنگے ہست و بُوئے نیست چنداں
گُلِ ما را بہ ہندی نام زشت است — وگرنہ ہر گُلے باغِ بہشت است
گر ایں گُل خاستے در رُوم یا شام — کہ بُودے پارسی یا تازیش نام
شدے معلوم تا مُرغانِ آں بُوم — چساں غلغل زدے در ترک و در رُوم
کدامی گل چنیں باشد کہ سالے — دہد بُو دور ماندہ از نہالے

پھر گریز کر کے لکھا ہے کہ یہی کیفیت ہندوستانی حسینوں کی ہے اور ان کا دُنیا کے مشہور حُسن خیز خطّوں سے مقابلہ کر کے حسینانِ ہند کو خوبانِ عالم پر ترجیح دی ہے ؎

بُتانِ ہند را نسبت ہمیں است — بہر یک مُوئے شاں صد ملکِ چین است
چہ گیری نام از یغما و خلخ — کہ غالب تیز چشم اند و تُرش رُخ
چہ یاد آری سپید و سُرخ در رُوئے — چو گلہائے خراساں رنگ بے بُوئے
وگر پُرسی خبر از رُوم و از رُوس — از ایشاں نیز آید لا بہ دُوس
سپید و سُرخ ہمچوں کندۂ یخ — کز ایشاں رم خورد کانون دوزخ
خطائے تنگ چشم و پست بینی — مغل را چشم و بینی خود نہ بینی
لبِ تاتار خود خنداں نباشد — ختن را خود نمک چنداں نباشد
سمرقندی و آنچہ از قندھارند — بجُز نامے ز شیرینی ندارند
بمصر و رُوم ہم سیمیں خدانند — ولے چُستی و چالاکی ندانند

مثنوی نہ سپہر میں امیر خسرو نے تقریباً چار سو ابیات کا مستقل باب ہندوستان (یعنی برصغیر ہند و پاکستان) اور یہاں کے رہنے والوں کے فضائل میں قلمبند کیا ہے جس سے امیر کی حُب الوطنی اور ہندوؤں کے علوم و فنون سے پوری واقفیت کا پتا چلتا ہے۔ ہندوستان کے فضائل مندرجہ ذیل عنوانوں کے تحت دیے گئے ہیں:۔

(۱) اثباتِ ملکِ ہند کہ جنت است — حجت ہمہ بہ قاعدۂ ملک استوار

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۲) ترجیحِ مُلکِ ہند بعقل از ہوائے خُوش — بر رُوم و بر عراق و خراسانِ پر غبار
(۳) ترجیحِ اہلِ ہند بر اہلِ عجم ہمہ — در زیرکی و دانش و دِلہائے ہوشیار[۱]
(۴) اثباتِ گفتِ ہند بحجت کہ راجح است — بر پارسی و ترکی از الفاظِ خوشگوار

ہندوؤں کی علمی فضیلت پر دس دلیلیں قائم کی ہیں[۲]۔ مثلاً :-

(۱) یہاں تمام دُنیا سے زیادہ علم نے وسعت حاصل کی۔

(۲) ہندوستان کے آدمی دُنیا کی تمام زبانیں حاصل کر سکتے ہیں لیکن اور کسی مُلک کا آدمی ہندی زبان نہیں بول سکتا۔

(۳) ہندوستان میں دُنیا کے ہر حِصّہ کے لوگ علم کی تحصیل کے واسطے آتے،

---

[۱] عرب فلسفی جاحظ اور قدیم عرب سیاحوں نے ہندوستان کی تعریف میں جو کچھ لکھا ہے، اس کے لیے ملاحظہ ہو سید سلیمان ندوی کی کتاب "عرب اور ہند کے تعلقات" امیر خسرو تو خیر ہندوستان کے مایۂ ناز فرزند ہیں۔ انھیں ضرور اپنا وطن عزیز ہوگا، لیکن کبھی کبھی اس مُلک کے متعلق ایرانی اہلِ قلم جس طرح حقارت کا اظہار کرتے ہیں وہ دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ سب سے زیادہ عبرت خیز بیان شیخ علی حزیں کا ہے۔ جنھوں نے اپنے تذکرہ میں ایک مفصل باب ہند اور اہلِ ہند کی مذمت میں لکھا ہے۔ اس میں انھوں نے بالتفصیل بیان کیا ہے کہ ہندوستان کی خاک ہی بزدلی اور تن کشی کے خمیر سے تیار ہوئی ہے اور قدیم شاعر اسدی کا بیان نقل کیا ہے کہ جب ایرانی بادشاہ ہندوستان کا کوئی علاقہ فتح کرتے تھے تو فوراً اس کی حکومت کسی دوسرے کے سپرد کر کے چلے آتے تاکہ وہ کہیں اس کے مضر اثرات کا شکار نہ ہو جائیں۔ ضحاک اپنے سپہ سالار گرشاسپ سے کہتا ہے کہ خبردار! ہندوستان فتح کر کے وہاں قیام نہ کرنا ؎

نہ مانی دراں بوم سالے تمام — کہ لشکر گراں گیرد از ننگ و نام
گرت بگذرد چار موسم در آں — ز فرہنگ و مردی نیابی نشاں

[۲] ملاحظہ ہو حیاتِ خسرو مؤلفہ سعید مارہروی صہ ۱۱۴ - ۱۱۵

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لیکن کوئی ہندو تحصیل علم کے واسطے باہر نہیں گیا۔ الومعشر ہندوستان میں تحصیلِ علم کے واسطے آیا اور دس برس تک بنارس میں پڑھتا رہا۔

(۴) علمِ حساب میں صفر ہندوستان کا تحفہ ہے کہ اسے آسا برہمن نے ایجاد کیا۔

(۵) کلیلہ ودمنہ جس کا ترجمہ فارسی، ترکی، عربی اور دری میں ہوا، ہندوستان کی تصنیف ہے۔

(۶) شطرنج ہندوستان کی ایجاد ہے وغیرہ وغیرہ۔

دسویں دلیل ہے ؎

حجتِ دہ آنکہ چوں خسرو بہ سخن
سحر گرے نیست بہ چرخِ کہن!

واقعہ یہ ہے کہ فارسی شعر گوئی کا وہ ننھا سا پودا، جسے رزیہ، شہاب، مہمرہ اور عمید نے سینچا تھا، خسرو کی شاعری میں ایک تن آور درخت کی صورت میں نظر آتا ہے۔ جو مرتبہ علاء الدین خلجی کا سیاسی تاریخ اور حضرت سلطان المشائخ کا روحانی تاریخ میں تھا، وہی خسرو کا شعر و سخن میں تھا۔ اور خسرو کو اس پر بجا ناز تھا۔ جس ماحول میں ایسی تین ہستیاں پرورش پا سکیں اس کا درجہ افغانستان اور ایران سے کم نہیں ہو سکتا۔ اور امیر خسرو نے طریقے طریقے سے اس پر فخر کیا ہے۔ انھوں نے مثنوی عشقیہ یا خضر خاں دیول رانی میں ایک باب ہندوستان کی اسلامی تاریخ پر لکھا ہے جس میں سلاطین اسلام کا سلسلہ سلطان معز الدین سام سے سلطان علاء الدین خلجی تک ملایا ہے۔ اس باب میں شروع میں اپنے زمانے کی مذہبی حالت پر تبصرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ ہندوستان میں شریعت کو کمال عزت حاصل ہے۔ علمائے باعمل کی وجہ سے دہلی بخارا کے ہم پہلو ہے اور غزنی سے لے کر ساحلِ سمندر تک اسلام یکساں روشنی کے ساتھ پھیلا ہوا ہے۔ نہ یہاں عیسائی ہیں نہ یہودی نہ آتش پرست اور نہ ہی خارجیوں، معتزلوں اور رافضیوں کا پتا چلتا ہے بلکہ ہر طرف حنفی اور اہل سنت آباد ہیں۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

خوشا ہندوستان و رونقِ دیں — شریعت را کمالِ عزّ و تمکیں
ز علم با عمل دہلی بخارا — ز شاہاں گشتہ اسلام آشکارا
ز غزنیں تا لبِ دریا دریں باب — ہمہ اسلام بینی بہ یکے آب
نہ زاں زہ دیدہ زاغانِ گرہ گیر — ہمہ در کیشِ احمد راست چوں تیر
نہ ترسائے کہ از ناترس گاری — نہد بر بندہ داغِ کردگاری
نہ از جنسِ جہوداں جنگ و جوریت — کہ از قرآں کند دعوئے بہ توریت
نہ مغ کز طاعتِ آتش شود شاد — وزو باصد زباں آتش بفریاد
مسلمانانِ نعمانی روش خاص — ز دل ہر چار آئیں را باخلاص
نہ کیں با شافعی نے مہر با زید — جماعت را و سنت را بجاں صید
نہ ز اہلِ اعتزالے کز فنِ شوم — ز دیدارِ خدا کردند محروم
نہ رفضی تا رسد زاں مذہبِ بد — جفائے بر وفادارانِ احمد
نہ آں سگ خارجی کز کینہ سازی — کند با شیرِ حق روباہ بازی

زہے خاکِ مسلماں خیز دیں جوئے
کہ ماہی نیز سنّی خیزد از جوئے

marfat.com
"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اشاعتِ اسلام

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اشاعتِ اسلام

ہم اسلامی ہند و پاکستان کی سیاسی تاریخ کے ضمن میں کہہ چکے ہیں کہ فتح سندھ و ملتان کے بعد مسلمانوں کی رفتارِ ترقی بہت سُست پڑ گئی۔ اور مُلتان سے دہلی پہنچنے میں انھیں کوئی پونے پانسو سال لگے۔ یہی سُست رفتاری اشاعتِ مذہب میں بھی نظر آتی ہے۔ بلکہ چونکہ سندھ اور مُلتان میں قرامطہ کی حکومت قائم ہو گئی تھی۔ اس لیے وہاں جو تھوڑی بہت اشاعتِ اسلام ہو رہی تھی، اس کا بھی رُخ بدل گیا۔ آج سندھ اور مُلتان کی ابتدائی تاریخ پر تاریکی کا پردہ چھایا ہُوا ہے۔ اور جب تک اسمٰعیلی ماخذ سے اس زمانے کی مذہبی تاریخ پر روشنی نہ پڑے۔ صحیح حالات کا اندازہ لگانا دشوار ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم آگے چل کر بتائیں گے۔ غالباً سندھ میں توسیعِ اسلام ابتدائی دَور کا نہیں بلکہ بعد کا واقعہ ہے اور اگرچہ مسلمانوں اور غیر مسلموں میں روابط و تعلقات استوار ہونے کی وجہ سے زمین تیار ہو گئی تھی بیشتر علاقے میں تخم ریزی بعد میں ہوئی۔

لاہور قرمطیوں کے دائرۂ اثر سے باہر رہا۔ اس لیے اس شہر کی مذہبی تاریخ سے ہم بے خبر نہیں۔ اسے کئی قابلِ ذکر ہستیوں نے اپنے قیام سے شرف بخشا لیکن بہ حیثیتِ مجموعی یہ کہنا صحیح ہوگا کہ فتح سندھ سے حضرت خواجہ اجمیریؒ کی آمد تک اشاعتِ اسلام کی رفتار اس سرزمین میں بڑی سُست رہی مگر اس کے بعد یکایک اس طرح مُستعدی اور جوش و خروش کا ظہور ہُوا کہ پچھلی سُست رفتاری کی بہت جلد تلافی ہو گئی۔

اشاعتِ اسلام کے خاص اسباب

اس انقلاب کے کئی اسباب تھے۔ ایک تو دہلی میں حکومتِ اسلامی کا

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قیام اور اس کی توسیع تھی۔ اس سے مسلمان صوفیوں اور مبلغوں کو مُلک کے دُوسرے حصّوں میں بے کھٹکے جانے کا موقع ملا۔ لیکن اس سے بھی زیادہ اہم وجہ تاتاریوں کا حملہ تھا، جس نے اسلامی دُنیا کا نظامِ زندگی درہم برہم کر دیا اور جوق در جوق علما و مشائخ اسلامی ممالک سے جان بچا کر ہندوستان میں پناہ گزیں ہوئے۔ جیسا کہ سر ایڈورڈ میکلیگن نے ضلع ملتان کے گزیٹیر میں بتایا ہے، اس زمانے کے تمام مشائخ کبار ان علاقوں سے آئے، جہاں تاتاریوں نے ان کے لیے زندگی دوبھر کر دی تھی۔ اور اگرچہ منگولوں کے حملے سے باہر کے ممالک اسلامی کو بے انتہا نقصان پہنچا، لیکن خطۂ پاک و ہند کو فائدہ ہوا اور ان بزرگوں کی کوششوں سے اسلام کو بڑی رونق و ترقی ہوئی۔

مشائخِ کبار کی آمد کے علاوہ ہم ویسے بھی اس زمانے میں ایک نئی مذہبی زندگی کے آثار دیکھتے ہیں۔ اسلامی تاریخوں میں مغل سفاکیوں اور مظالم کا حال پڑھیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان سمجھتے تھے کہ گویا یاجوج ماجوج آ گئے۔ اور ہمیں اپنی مقدس ترین چیزوں کو ان سے محفوظ کرنا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر مسلمان جہاں کہیں وہ تھا، خم ٹھونک کر کھڑا ہو گیا اور اسلام کی حفاظت اور ترقی کے لیے ایسی شاندار کوششیں ہوئیں جن کی مثال پانچ سو سال پہلے قرونِ اولیٰ میں ہی نظر آتی ہے۔ یہ مساعی جمیلہ درگاہِ الٰہی میں مقبول ہوئیں اور نہ صرف تاتاری حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے بلکہ مذہبی جوش کا سیلِ گراں اسلام کو ان علاقوں میں لے گیا، جہاں ابھی تک اس مذہب کا نام بھی نہ پہنچا تھا۔

صُوفیائے کرام کا طریقِ کار

پاکستان و ہند میں اسلام زیادہ تر صُوفیائے کرام نے پھیلایا، لیکن ان کا مطمحِ نظر اور طریقِ کار دورِ حاضر کے مشنریوں اور مبلغوں سے بالکل مختلف تھا۔ اُنھوں نے اپنے آپ کو فقط غیر مُسلموں میں اشاعتِ اسلام کے لیے وقف نہ کر رکھا تھا بلکہ تبدیلِ مذہب تو (سوائے بعض اسمٰعیلیوں اور سہروردیوں کے) شاید ان کا مقصدِ اوّلین ہی نہ تھا۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ان کے دروازے ہر ایک کے لیے خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان، امیر ہو یا غریب کھلے تھے۔ اور ان کا کام ہر ایک میں بلا کسی تفریق کے "ارشاد و ہدایت" تھا۔ ایک ہندو کے قبولِ اسلام سے انھیں جتنی خوشی تھی شاید اس سے زیادہ ایک مسلمان کے ترکِ گناہ سے ہوتی۔ صوفیہ کے اس جامع نقطۂ نظر کو سلسلۃ الذہب کے مصنف[1] نے ایک مشہور سہروردی بزرگ (شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ) کا ذکر کرتے ہوئے خوب واضح کیا ہے اور ان کی نسبت لکھا ہے (ترجمہ)

لوگوں کی ارشاد و ہدایت میں کفر سے ایمان کی طرف، گناہ سے عبادت کی طرف، نفسانیت سے روحانیت کی طرف، ان کا بڑا مرتبہ تھا۔

مشائخ کبار کے سامنے یہی مطمحِ نظر تھا جو سلسلۃ الذہب کے بیان کے مطابق شیخ بہاء الدینؒ کا تھا۔ وہ ہر ایک کو خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان، ایک بلند تر روحانی زندگی کا پیغام دیتے اور اس کا عملی نتیجہ یہ تھا کہ کفار اسلام کی طرف راغب ہوتے اور عام مسلمان ایک پاک اور بے عیب زندگی کی طرف!

خانوادۂ چشتیہ کے مشہور بزرگ شیخ کلیم اللہ شاہجہاں آبادیؒ نے بھی اپنے مکتوبات میں اس نقطۂ نظر کی ترجمانی کی ہے۔ "دراں کوشید کہ صورتِ اسلام وسیع گردد و ذاکرین کثیر"۔

ایک اور جگہ وہ فرماتے ہیں:۔

"بہ ہر حال در اعلاے کلمۃ الحق کوشید و از مشرق یا مغرب ہمہ اسلام حقیقی بر کنید"۔

یعنی صوفیہ کا مطمحِ نظر اسلام کی اشاعت نہیں، بلکہ اسلامِ حقیقی کی توسیع تھا۔ جس کی ضرورت فقط غیر مسلموں کو نہیں بلکہ بہت سے مسلمانوں کو بھی ہے۔ شاہ کلیم اللہ کے مکتوبات میں "اسلامِ حقیقی" کی تشریح کئی جگہ ہے:۔

---

[1] ملاحظہ ہو اخبار الاخیار (ص ۲۷)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۱) "دراں باید کوشید کہ اکثر اہلِ دول از دنیاے دوں دل کندہ میل بطرف عقبےٰ پیدا کنند۔"

(۲) قصد کنید کہ مخلصانِ شما از سیرِ دُنیا پرستی برخیزند۔"

اسلامِ حقیقی کی توسیع کی یہی خواہش تھی جس کی بنا پر حضرت سُلطان المشائخؒ نے ایک دو دفعہ ہندوؤں کے مسلمان نہ ہونے پر افسوس ظاہر کیا تو اس سے زیادہ مرتبہ مسلمانوں کے حق مسلمانی کو پُورا نہ کرنے اور انسانیت کی معراج پر نہ پہنچنے پر رنج وغم کے آنسو بہائے۔ [فوائد الفواد ص ۱۸۴]

شیخ ابو اسحاق گازرونی کے حالات میں لکھا ہے: "نقل است کہ بست وچہار ہزار کس بر دستِ شیخ مسلمان شدند۔ وقریب صد ہزار اہلِ اسلام پیش شیخ تائب گشتہ در حلقۂ ارادت شیخ آمدہ بودند (خزینۃ الاصفیا) صُوفیاے کبار کے کام کے تناسب اور طریقِ کار کا کچھ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے!!

ہندوستان میں مسلمان صُوفیہ کا واحد یا اہم ترین مقصد اسلام کی اشاعت نہ تھا، لیکن انھیں اس کام میں غیر معمُولی کامیابی ہوئی اس کی وجہ ہندوستان کے خاص حالات تھے۔ ہندو مذہب ایک مشنری مذہب نہیں۔ آریہ سماج کے آغاز سے پہلے ہندوؤں کی یہ خواہش نہ ہوتی تھی کہ وہ غیر قوموں میں اپنا مذہب پھیلائیں بلکہ سچے مذہب کی نسبت تو ان کا نقطۂ نظر تھا کہ یہ صرف خواص کا "حق" ہے۔ ہر کہ ومہ اس کا مستحق نہیں۔ اور جو شخص اس سے محروم رہتا ہے، اس میں اس کی اپنی تباہی ہے۔ مذہب کا کوئی نقصان نہیں۔ یہی اسلوبِ خیال تھا جس کی بنا پر منو نے شودروں اور نیچ ذات کے لوگوں کو اعلیٰ مذہبی واقفیت حاصل کرنے اور مذہبی عبادتگاہوں میں داخل ہونے سے منع کر دیا بلکہ یہاں تک کہا کہ اگر کوئی شودر مقدس وید کے منتر سُن لے تو اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس نقطۂ نظر کے ہوتے ہوئے اشاعت اسلام میں کامیابی حاصل کرنا، بالخصوص

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ان لوگوں میں دینِ حق پھیلانا جو کسی بھی دین و مذہب کے مستحق نہ سمجھے جاتے تھے۔ چنداں دشوار نہ تھا!

اگر صوفیہ کا مطمحِ نظر عہدِ حاضر کے مبلغوں سے مختلف تھا تو ان کا طریقِ کار بھی اس زمانے کے عیسائی مشنریوں کی عین ضد تھا۔ اُنھوں نے کبھی یہ نہ کیا کہ دوسرے مذہبوں اور ان کے بانیوں کی بدگوئی کر کے اپنے مذہب کی فضیلت ثابت کریں۔ دوسرے مذہبوں کی طرف ان کا طرزِ عمل انتہائی رواداری اور صلح پسندی کا تھا۔ ہاں، ان مذہبوں میں سے جو شخص ان کی اپنی کرامات یا پاک زندگی دیکھ کر ان کے اور ان کے مذہب کے قائل ہو جاتے۔ انھیں اپنے دامن کے نیچے جگہ دینے کے لیے وہ ہر وقت تیار رہتے۔ شیخ کلیم اللہ دہلوی کے مکتوبات میں صوفی طریقِ کار کی ایک اور جگہ وضاحت ہوتی ہے۔ اپنے خلیفۂ اعظم شیخ نظام الدین اورنگ آبادی کو تحریر فرماتے ہیں:۔

"صلح باہندو و مسلمان سازند۔ ہر کہ ازیں دو فرقہ کہ اعتقاد بشما داشتہ باشند ذکر و فکر و مراقبہ و تعلیم او را بگوئید کہ ذکر بہ خاصیتِ خود او را بہ ربقۂ اسلام خواہد کشید۔ و باغیرِ معتقد اگرچہ سید زادہ باشد تعلیم نہ باید کرد" (صر ۸۶)

شیخ کلیم اللہؒ کا طریق صلحِ کل کا تھا، لیکن وہ اسلام کی توسیع سے بے پروا نہ تھے۔ ایک اور خط میں لکھتے ہیں:۔

"دیگر مرقوم بود۔ بھیادیا رام و ہندو ہائے دیگر بسیار در ربقۂ اسلام درآمدہ اند۔ اما بارِدم قبیلہ پوشیدہ مے مانند۔ برادرِ من! اہتمام نمایند، کہ آہستہ آہستہ ایں امرِ جلیل از بطون بہ اظہار انجامد" (صر ۳۰)

صوفیہ کے صلحِ کل طریقوں اور ہندوؤں کے مذہب کے متعلق خاص نقطۂ نظر کا ایک دلچسپ نتیجہ یہ ہوا کہ صوفیہ کی اشاعتِ اسلام کی کوششوں کی کوئی خاص مخالفت نہ ہوئی بلکہ ہندوؤں نے ان صوفیوں کو بھی جنھوں نے اشاعتِ اسلام میں نام پیدا کیا، نگاہِ احترام سے دیکھا۔ مثلاً ولی الہند حضرت خواجہ معین الدین اجمیری

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کو جو مبلغینِ اسلام میں ایک خاص پایہ رکھتے تھے۔ اور قدیم ترین تذکرے گواہ ہیں کہ اجمیر میں ان کے آنے سے رُوحانی طور پر اسلام کا بول بالا ہوا۔ لیکن ان کی نسبت ہندوؤں کا جو نقطۂ نظر تھا اس کی بابت سفینۃ الاولیاء میں داراشکوہ کا بیان ملاحظہ ہو۔

"جمعے کثیرے از کفار بہ برکت قدومِ ایشاں مسلمان شدند و جماعہ کہ مسلمان نہ شدہ بودہ۔ فتوح دینار بخدمت ایشاں مے فرستادند و ہنوز کفارے کہ دراں نواحی اند بہ زیارت ایشاں مے آیند و مبلغ ہا بہ مجاورانِ روضہ منورہ میگزرانند"

(سفینۃ الاولیا ص ۹۳)

حال کے ایک ہندو رہنما اے بہادر ہربلاس شاردا بھی جو شاردا ایکٹ کی وجہ سے خاص طور پر مشہور ہیں، اجمیر کے متعلق اپنی انگریزی کتاب میں حضرت خواجہ بزرگؒ کو اس طرح خراجِ عقیدت ادا کرتے ہیں (ترجمہ)

"خواجہ معین الدین نے پرہیزگاروں کی زندگی گزاری ..... انھوں نے زیادتی کرنے کی کبھی تلقین نہیں کی۔ اور خدا کی تمام مخلوقات کی نسبت ان کا نقطۂ نظر صلح اور خیر خواہی کا تھا۔" (ص ۸۵)

ہندوستان میں اشاعتِ اسلام کے ضمن میں ایک نکتہ قابلِ ذکر ہے کہ ہندوستان میں اسلام ان علاقوں میں سرعت سے پھیلا جہاں ابھی ہندو مذہب نے بدھ مت کو پوری طرح دبا نہ لیا تھا۔ اور ذات پات کا معاشرتی نظام عوام کی زندگی پر پوری طرح حاوی نہ ہُوا تھا۔ جب مسلمان سندھ میں آئے تو رعایا کا ایک بڑا حصہ بودھ مذہب کا پیرو تھا اور وہ لوگ برہمن راجا سے سخت آزردہ تھے۔ اسی طرح بنگال کی نسبت سپرنٹنڈنٹ محکمۂ مردم شماری لکھتا ہے (۱۹۱۱ء) کہ اسلام کی آمد کے وقت اس علاقے میں ابھی ہندو مذہب نے دوبارہ فروغ حاصل نہ کیا تھا۔ اور بودھ مذہب کی ایک بگڑی ہوئی صورت یہاں رائج تھی۔ ایسی حالت میں اسلام کے لیے

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پاؤں جمانا آسان تھا۔ کیونکہ خواہ رُوحانی طور پر تبدیلیٔ مذہب کی نسبت ہندوؤں کا جو بھی نقطۂ نظر ہو، لیکن ان کا معاشرتی نظام بڑا سخت تھا۔ اور ایک فرد کے لیے مذہب چھوڑ کر برادری کی مخالفت جھیلنا بڑا تکلیف دہ تھا۔ سید گیسو دراز کے ملفوظات اور دوسرے شواہد سے خیال ہوتا ہے کہ اسلامی مبلغین کی راہ میں بڑی رکاوٹ روحانی نہ تھی بلکہ ذات پات کا نظام اور جن علاقوں میں یہ نظام ابھی مُستحکم نہ ہُوا تھا (یعنی سندھ، مغربی پنجاب اور بنگال) وہاں اشاعتِ اسلام کا کام آسانی سے سرانجام پاگیا۔

اشاعتِ اسلام کے علاوہ بزرگانِ کرام نے عام مسلمانوں کی روحانی اور اخلاقی اصلاح کے لیے جو کارہائے نمایاں کیے انھیں بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ آج لوگ ان کے کام کا اندازہ ان کے جانشینوں کو دیکھ کر کرتے ہیں، جنھوں نے ان کی یادگاروں کو تجارت کا سرمایہ بنا رکھا ہے۔ یا مزاروں پر ان زائرین کا ہجوم دیکھتے ہیں، جن کی ایک ایک حرکت سے توہم پرستی اور جہالت ٹپکتی ہے۔ اور جن کے نزدیک شخصی صفائی تو شاید ایک عیب ہے۔ لیکن بزرگانِ عظام کا اندازہ ان لوگوں سے کرنا بے انصافی ہے۔ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہم ان بزرگوں کے صحیح اور مُستند حالات پڑھیں۔ اور ان کے اقوال و افعال پر غور کریں۔ آج ہمارے لیے اس پاکیزہ رُوحانی فضا میں پہنچنا جو حضرت خواجہ اجمیریؒ، شیخ کبیر باباؒ فریدؒ، سلطان المشائخؒ، حضرت چراغ دہلیؒ، نور قطب العالم، خواجہ باقی باللہؒ، کے گرد و پیش تھی، ناممکن ہے۔ لیکن اگر آج بھی ہم جاہل کرامت فروشوں کے قصے کہانیوں کو نظر انداز کر دیں اور مستند اور صحیح معاصرانہ ملفوظات اور تذکروں کو دیکھیں تو ہمیں پتا چلتا ہے کہ یہ کیسی کیسی پاک ہستیاں تھیں۔ اور ان سے مسلمانوں کو کیا کیا فیض پہنچ رہا تھا۔ آج بھی اگر فوائد الفواد، سیر الاولیاء، زبدۃ المقامات کا مُطالعہ کریں۔ ان کا موازنہ کلامی تصانیف سے ہی نہیں، مسائلِ شریعت کی کتابوں سے بھی کریں تو پھر صاف نظر آجاتا ہے کہ "اسلام حقیقی کہاں ہے اور

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تصوف کے انحطاط کے ساتھ قوم میں ایک اخلاقی اور روحانی زوال کیوں آگیا !!

سُلطان الہند حضرت خواجہ مُعین الدین اجمیری قدس اللہ سرہ العزیز

حضرت داتا گنج بخش رح کا پاکستان و ہند کے اولیائے کبار میں خاص مرتبہ ہے۔ ایک تو انھیں اوّلیت کا شرف حاصل ہے، دوسرے ان کی تصانیف کو آج بھی اہلِ علم آنکھوں پر رکھتے ہیں، لیکن خدا کی دین ہے کہ ان سب باتوں کے باوجود اس سرزمین کے اولیائے عظام میں انھیں وہ درجہ حاصل نہیں ہوا جو حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رح کا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرت گنج بخش کی حیثیت ایک لالۂ تنہا کی ہے جس کی رنگینی اور دلآویزی میں کلام نہیں، لیکن جس سے سارا چمن نہیں مہک اُٹھتا۔ برخلاف اس کے حضرت خواجہ اجمیری رح نے جو بیج بویا وہ اس طرح پھلا پھُولا کہ تمام مُلک میں اس کی شاخیں پھیل گئیں اور چشتیہ سلسلہ

لہ پیر کبار شیخ دتو شوریانی خویشگی مغربی پاکستان میں چشتیہ سلسلہ حضرت خواجہ بزرگ سے پہلے پہنچ چکا تھا۔ لیکن افغان علاقہ سے باہر اس کی اشاعت نہ ہوئی۔ اس اشاعت کا شرف پیر کبار شیخ دتو کو حاصل ہوا۔ جن کے حالات معارج الولایت اور دوسرے کمیاب تذکروں کے حوالے سے خزینۃ الاصفیا میں درج ہیں۔ (جلد اوّل ص ۲۵۳) آپ افغان قوم سے تھے۔ شروع سے مُرشد کامل کی تلاش تھی۔ کئی بزرگوں کی خدمت میں پہنچے۔ لیکن تشفی نہ ہوئی۔ پھرتے پھراتے چشت میں مشہور بزرگ خواجہ مودود چشتی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے جالیس

ملہ وہ ابتدائی چشتی بزرگوں میں بڑا مرتبہ رکھتے تھے۔ صاحب تصانیف تھے۔ مریدوں کی تعداد دس ہزار بتائی جاتی ہے۔ ان کے مرید خواجہ حاجی شریف زندنی حضرت خواجہ اجمیری رح کے پیر خواجہ عثمان ہارونی کے مرشد تھے۔ خواجہ مودود چشتی رح نے ماہ رجب ۵۲۲ھ کو وفات پائی۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور اس کی مختلف شاخوں مثلاً نظامیہ، صابریہ کے نام لیوا سارے پاکستان و ہند میں کثرت سے موجود ہیں۔

سال تک ان کی خدمت کی۔ اور بے انتہا فیض حاصل کیا۔ وفات کے وقت مرشد نے انھیں خرقۂ خاص عنایت کیا اور وطن کی طرف رخصت کیا۔ لیکن مرشد سے عقیدت کی وجہ سے وہ ان کی وفات کے بعد بھی مرشد کے مزار پر ہی استقامت پذیر رہے حتیٰ کہ مرشد نے خواب میں تاکید کی کہ اپنے وطن کو روانہ ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ اپنے وطن واپس آئے۔ سالِ وفات ۵۵۵ھ (۱۱۶۰ء) ہے۔ موخرین کے تذکروں میں لکھا ہے کہ جب شیخ کوہستان پشاور میں پہنچے تو افغانوں نے ان سے ولائت کا ثبوت مانگا اور کہا کہ اگر اس وقت دو کبوتر غیب سے پیدا ہوں، جو آپ کے گریبان سے داخل ہو کر آستینوں سے نکل جائیں تو ہم آپ کے قائل ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس کرامت کے بعد آپ کا بڑا شہرہ ہوا۔ بالخصوص خویشگی افغان تو بالکل آپ کے مطیع و معتقد ہو گئے۔ اُس وقت سے آپ نے حکم دیا کہ میرے مریدوں میں سے کبوتروں کو کوئی ذبح نہ کرے ؎

چوں زدلو خوارقِ عادات	خواستہ قوم بہرِ مکشوفات
دو کبوتر موافقِ گفتار	زآستین دو شیخ شد طیار
قوم را گفت شیخ بعد ازاں	چونکہ شد بر ولایتش بُرہاں
جنس ایں طیر را ضرر نہ رسید	گر مریدانِ خاص داں منید

پیر کبار سے بے شمار خلقت نے راہِ ہدایت پائی۔ ان کے کامل ترین مریدوں میں سے شیخ تبک تھے، جو بقول بعضے پیر کبار کے برادر زادہ اور بقولِ دیگراں خواجہ مودود چشتیؒ کے پوتے تھے۔ ان کے حق میں پیر کبار نے دعا فرمائی کہ قیامت تک ان کی اولاد اور مرید اربابِ معرفت سے خالی نہ رہیں۔ قصور کے افغان خویشگی مشائخ جنھوں نے عہدِ مغلیہ میں بڑا نام پایا، اسی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔ ہم ان کا ذکر رودِ کوثر میں کریں گے۔ مخزنِ افغانی میں لکھا ہے کہ پیر کبار کا ایک بیٹا تھا، شیخ چون نام۔ ان کی اولاد میں بھی طریقۂ معرفت و خدا جوئی متداول ہے۔ انھیں چون زئی کہتے ہیں۔

[باقی اگلے صفحے پر]

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فوائد الفواد میں، جو حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا قدس سرہ کے ملفوظات کا مستند مجموعہ اور ابتدائی چشتیہ تاریخ (بلکہ فی الحقیقت اسلامی ہندوستان و پاکستان کی ابتدائی روحانی اور ادبی تاریخ) کا اصل سرچشمہ ہے۔ حضرت خواجہ اجمیریؒ کا بہت تھوڑا ذکر ہے۔ سیر الاولیا میں بھی جسے امیر خورد نے مختلف کتب اور زبانی روایات کی بنا پر ترتیب دیا۔ آپ کے حالاتِ زندگی بہت تھوڑے ہیں۔ آپ کے واقعاتِ زندگی[1] تفصیل کے ساتھ پہلی مرتبہ صوفیہ کے تذکرہ سیر العارفین میں درج ہوئے۔ جسے سکندر لودھی کے اُستاد شیخ جمالیؒ نے حضرت خواجہ اجمیریؒ کی وفات کے کوئی تین سو سال بعد ترتیب دیا۔ جمالی کو اکثر حالات بلادِ عجم کے سفر میں دستیاب ہوئے۔ لیکن ظاہر ہے کہ جو حالات اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد سُنے گئے ہوں، ان پر پُوری طرح بھروسا نہیں کیا جاسکتا۔ شیخ جمالی کے

(بقیہ فٹ نوٹ از صفحہ ۱۹۷)

شیخ ثابت بریجؒ مخزنِ افغانی میں خواجہ مودود چشتیؒ کے دو اَور افغان مریدوں۔ شیخ ثابت بریجؒ اور شیخ الیاس بریجؒ کا ذکر بھی ملتا ہے۔ لیکن صوفیہ کے متداول تذکروں میں ہمیں یہ نام نہیں ملے۔ مخزن کے بیان کے مطابق دونوں صاحبِ کرامات بزرگ ہوئے۔ لیکن شیخ ثابت بریجؒ کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ ان کی قوم (بریجؒ) پہلے بلوٹ میں رہتی تھی۔ وہ اسے حفاظت کی خاطر قندھار کے پاس شراوک میں لے گئے۔ جہاں یہ قوم اب مقیم ہے۔ اور ان کی بدولت یہ مقام دشمن کی فوج سے محفوظ رہا۔ شیخ ثابت کی قبر کوہ اودل ترین پر ہے۔

مخزن میں شیخ کی بدولت شراوک کا "افواجِ بادشاہ قزلباش از قندھار" اور "فوجِ مغلان" سے محفوظ رہنے کا ذکر ہے، جن کا وجود خواجہ مودودؒ چشتیؒ کے زمانے میں ثابت نہیں۔ شاید بریجؒ قوم کی ایک قدیمی روایت بعد کے حالات سے خلط ملط ہوگئی ہو!

[1] شاید سرود الصدور ملفوظات و مکتوبات قاضی حمید الدین ناگوری خلیفہ حضرت (اجمیری) سے آپ کے واقعاتِ زندگی پر زیادہ روشنی پڑے!

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بیان کے مطابق آپ حجستان میں پیدا ہوئے، لیکن آپ کی تعلیم و تربیت خراسان میں ہوئی۔ ابھی پندرہ سال کے تھے کہ یتیم ہو گئے۔ ان کے والد نے ایک باغ اور ایک پن چکی ورثہ میں چھوڑی تھی جس کی آمدنی سے آپ بسر اوقات کرتے تھے۔ ایک روز آپ اپنے باغ میں تشریف فرما تھے اور درختوں کو پانی دے رہے تھے کہ ایک قلندر شیخ ابراہیم قندوزی نام آپ کے باغ میں آیا۔ حضرت نے بڑے تپاک سے اس کا خیر مقدم کیا۔ ایک سایہ دار درخت کے نیچے اسے بٹھایا اور انگوروں کا خوشہ ماحضر کے طور پر سامنے رکھا۔ قلندر نے برغبت تمام یہ انگور کھائے اور حضرت خواجہ کی مہمان نوازی اور ذوق و شوق سے خوش ہو کر ایک کھانے کی چیز اپنی بغل سے نکال کر چبائی اور حضرت کو کھانے کو دی۔ تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ اس کے کھاتے ہی انوارِ الٰہی جلوہ گر ہوئے اور حضرت کا دل دُنیا سے متنفر ہو گیا۔ تمام جائداد منقولہ و غیر منقولہ فروخت کر کے مساکین میں تقسیم کی اور خود سمرقند کا رُخ کیا۔ حضرت خواجہ کی زندگی میں اس اہم تبدیلی کی وجہ شاید ایک اور بھی ہے۔ اسی زمانے میں یا اس سے کچھ پیشتر تاتاریوں نے شہر پر حملہ کیا اور حضرت کے وطنِ مالوف پر اس طرح ظلم توڑے کہ حضرت کا دل اس دارالابتلا سے سرد ہو گیا اور دُنیا اور دُنیاداروں سے ایک طرح کا انقباض پیدا ہونے لگا۔

ترکِ وطن کے بعد ایک عرصے تک حضرت نے سمرقند میں تحصیلِ علم کی اور کلام مجید حفظ کیا۔ اس کے بعد عراق کا رُخ کیا۔ راستے میں قصبہ ہرون میں جو نیشاپور کے نواح میں ہے۔ حضرت خواجہ عثمان ہرونی چشتی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک عرصہ دراز ان کی خدمت میں رہے اور کمال مجاہدہ اور ریاضت کے بعد ان سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ خواجہ عثمان ہرونی کے بہت سے حالات کتبِ صوفیہ میں مذکور ہیں۔ لیکن ان کی زندگی کے ایک واقعہ سے جسے شیخ جمالی نے سیر العارفین

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میں نقل کیا[1] ہے۔ خیال ہوتا ہے کہ انھیں اشاعتِ اسلام کا بڑا خیال رہتا تھا۔ کہتے ہیں کہ جب حضرت معین الدین اپنے مُرشد سے خرقۂ خلافت حاصل کر کے اور عراق اور دوسرے مقاماتِ مقدّسہ میں پھر پھرا کر ہندوستان تشریف لائے تو خواجہ عثمان کا دل ان کی جُدائی میں بے قرار ہُوا اور وہ اپنے جلیل القدر مُرید کی ملاقات کے لیے ہندوستان کی طرف چلے۔ راستے میں ان کا گزر ایک ایسے مقام پر ہُوا، جہاں پارسیوں کا ایک بڑا آتشکدہ تھا۔ خواجہ عثمان ہرونیؒ نے اس کے قریب قیام کیا اور اپنے خادم کو بھیجا کہ افطار کے واسطے آگ پر روٹی پکا لائے۔ خادم گیا لیکن آتش پرستوں نے اسے آگ نہ دی۔ حضرت کو خود اُن کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ جب آپ آتشکدہ کے پاس پہنچے تو وہاں ایک بوڑھا موبد مختار نام سات برس کا لڑکا آغوش میں لیے کھڑا تھا۔ حضرت کی اس سے گفت و شنید ہوئی۔ آپ نے اس سے کہا کہ آگ ایک فانی چیز ہے ایک چُلّو پانی سے معدُوم ہو جاتی ہے۔ اسے کیوں پُوجتے ہو اور خدائے برتر و تعالےٰ کو جو اس آگ کا خالق ہے، نہیں پُوجتے۔ اُس نے کہا کہ آگ ہمارے مذہب میں بڑا مرتبہ رکھتی ہے۔ اسے کیوں نہ پُوجیں۔ حضرت نے پھر کہا کہ تم اتنی مُدت سے اس آگ کی صدقِ دل سے پرستش کرتے ہو کیا تم یہ کر سکتے ہو کہ اپنا ہاتھ یا پاؤں اس آگ میں ڈالو اور وہ نہ جلائے۔ موبد نے کہا جلانا آگ کی خاصیت ہے جو اس میں ہاتھ ڈالے گا جل جائے گا ؎

اگر صد سال گبر آتش فروزد ٭ چو یک دم اندر وں افتد بسوزد

حضرت نے یہ سُن کر موبد کے فرزند کو اس کی آغوش سے لیا اور خود آیۂ کریمہ قُلنا یا نارُ کونی برداً وسلاماً علیٰ ابراهیم پڑھ کر آگ میں داخل ہوئے۔ یہ دیکھ کر موبد اور اس کے ساتھی حیران و پریشان ہوئے۔ آگ کے گرد شور و فغاں کرتے تھے؛

---

[1] یہ واقعہ حضرت چراغ دہلیؒ کی زبانی بھی بیان ہُوا ہے۔ ملاحظہ ہو سراج المجالس تعمیر المجالس ص ۳۶

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لیکن اندر جانے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ ایک عرصے کے بعد حضرت خواجہ مع اس بچے کے صحیح و سلامت اس حالت میں آگ سے نکلے کہ ان کے کپڑوں پر ایک دھبا بھی نہ تھا۔ تمام آتش پرست یہ حال دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ اور حضرت کی کرامت دیکھ کر ان کے ہاتھ پر ایمان لائے۔ لڑکے کا نام ابراہیم رکھا گیا اور بوڑھے موبد کا شیخ عبداللہ[1]۔

خواجہ عثمان ہرونی سے خرقۂ خلافت حاصل کرنے کے بعد حضرت خواجہ معین الدین نے ایک عرصے تک بلادِ اسلامیہ کی سیر و سیاحت کی اور اس دوران میں صدہا اولیاء اللہ سے ملاقات کی۔ سیر العارفین میں لکھا ہے کہ آپ ستاون روز تک حضرت غوث الاعظمؒ کے ساتھ ایک حجرے میں مقیم رہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اور سہروردی سلسلہ کے بانی شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردی سے بھی آپ کا بہت ربط ضبط رہا۔ اسی طرح شیخ نجم الدین کبریٰؒ۔ شیخ ضیاء الدین۔ خواجہ اوحد الدین کرمانی۔ شیخ ابوسعید تبریزی (جو شیخ جلال الدین تبریزی کے پہلے پیر تھے) اور دیگر کئی بزرگوں سے آپ کی ملاقات کا ذکر ملتا ہے۔

بلادِ اسلامی میں بھی آپ کو بڑا مرتبہ حاصل ہوا۔ چنانچہ سیر العارفین میں مولنا رومؒ کے خلیفہ شیخ حسام الدین چلپی کا یہ بیان نقل ہوا ہے کہ شیخ اوحد الدین کرمانیؒ نے حضرت خواجہ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے بھی آپ کی صحبت سے فیض اُٹھایا۔

اصفہان میں آپ کی ملاقات خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے ہوئی جو اُن دنوں مُرشد کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ حضرت قطب الدینؒ حضرت خواجہ بزرگ کے

---

[1] جمالی کا بیان ہے کہ شیخ عبداللہ اور شیخ ابراہیم کا عالیشان مقبرہ میں نے خود دیکھا ہے اور وہاں دو ہفتے قیام کیا ہے (سیر العارفین ص ۹)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مرید ہوئے اور بعد میں جب حضرت خواجہ بزرگ نے اجمیر میں اقامت فرمائی تو خواجہ قطب الدین نے ان کے فیض کا سلسلہ دہلی میں جاری رکھا۔

بغداد، ہرات، تبریز، بلخ سے ہوتے ہوئے حضرت خواجہ غزنی کے راستے ہندوستان آئے اور پہلے لاہور پہنچے۔ مشہور ہے کہ یہاں آپ نے حضرت داتا گنج بخش کے مزار پر چلہ کشی کی۔ لاہور سے (بقول بعض تذکرہ نگاران) آپ ملتان تشریف لے گئے۔ جہاں آپ نے طویل قیام کر کے ہندوستانی زبان میں مہارت تامہ حاصل کی۔ اس کے بعد آپ دہلی آئے اور تھوڑا عرصہ یہاں قیام کر کے اجمیر کا رُخ کیا جو ابتدا میں اجمیر و دہلی کے راجا کا دارالخلافہ اور دہلی سے بھی زیادہ اہم مقام تھا۔

(سیر الاولیا میں حضرت سلطان المشائخ کی زبانی لکھا ہے کہ جب خواجۂ بزرگ اجمیر تشریف لائے۔ اس وقت رائے پتھورا ہندوستان کا بادشاہ اجمیر میں رہتا تھا۔ جب آپ نے اجمیر میں سکونت اختیار کی تو رائے پتھورا اور اس کے مقربوں کو ناگوار گزرا۔ شیخ کی عظمت و کرامت کو دیکھ کر دم نہ مار سکتے تھے۔ لیکن شیخ کے وابستگان میں سے ایک شخص رائے پتھورا کے پاس نوکر تھا اس کو ایذا پہنچانی شروع کی۔ اس نے شیخ کے پاس فریاد کی۔ شیخ نے رائے پتھورا کے پاس اس کی سفارش کی، لیکن پتھورا نے یہ سفارش قبول نہ کی بلکہ اُلٹا شیخ کی نسبت جلی کٹی باتیں کہیں۔ جب راجا کے یہ الفاظ حضرت تک پہنچے تو ان کی زبان سے نکلا:

"ما پتھورا را زندہ گرفتیم و دادیم" ان ہی دنوں سلطان معز الدین غوری کا لشکر دوسری مرتبہ غزنی سے ہندوستان پہنچا۔ رائے پتھورا نے اس کا مقابلہ کیا اور زندہ گرفتار ہوا۔

یہ روایت عام طور پر مشہور ہے۔ لیکن طبقاتِ ناصری کے ایک حوالے سے خیال ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ اجمیر میں سلطان معز الدین غوری کی لشکر کشی سے پہلے نہیں بلکہ اس کے ساتھ تشریف لائے اور ترائین کی دوسری لڑائی کے زمانے میں سلطان محمد غوری کے لشکر کے ساتھ تھے۔ اس لڑائی کا ذکر کرتے ہوئے

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

طبقاتِ ناصری کا مؤلف لکھتا ہے :۔

"ایں داعی از ثقہ شنید کہ از معارف بلاد تو لک بود۔ لقب او معین الدین بود۔ او مے گفت کہ من دراں لشکر با سلطان غازی بودم۔ عدد سوار لشکرِ اسلام دراں وقت صد و بست ہزار برگستوران بود"

بدایونی کی منتخب التواریخ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے :۔

"حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ العزیز کہ سر چشمہ اولیائے کبار و مشائخ عظام دیارِ ہند است۔ مزار متبرک وے در اجمیر واقع است۔ دریں نوبت با سلطان ہمراہ بود و ایں فتح بموجب راندن نفس مبارک رحمانی آں قطبِ ربانی رو نمودہ"

یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ جمالی جس نے سیر العارفین میں پہلی مرتبہ حضرت خواجہ کے حالات تفصیل سے بیان کیے۔ اس واقعہ کا ذکر نہیں کرتا بلکہ بالصراحت کہتا ہے کہ حضرتِ خواجہ دہلی ان دنوں تشریف لائے، جب سلطان محمد غوری یہ مقام فتح کر کے واپس جا رہا تھا۔ اور پھر دہلی میں چند ماہ قیام کر کے اجمیر کا رخ کیا۔ اجمیر میں حضرت خواجہ کی آمد کا جو اثر ہوا۔ اس کی نسبت سیر العارفین میں لکھا ہے :۔

"بیشترے کفار نامدار ازاں دیار بہ برکت آثار آں زبدۃ الابرار بہ تشریفِ ایمان مشرف شدند و بیشترِ یکہ ایمان نیاوردند۔ نذر و فتوح بے حد و عد بحضرت ایشاں مے فرستادند کہ ہنوز آں کفار بداں نمط معتقد اند۔ ہر سالے مے آیند و سر بر خاکِ آں آستانہ عظیم القدر و آں بدرِ سپہر مشیخت مے نہند و مبلغ ہا کلی بمجاورانِ روضۂ مطہرۂ ایشاں مے رسانند۔ و خدمتے بجائے مے آرند" (۳)

سیر الاولیا میں بھی آپ کی تبلیغی کامیابی کی نسبت لکھا ہے :

"دوسری کرامت یہ ہے کہ آپ کے آنے سے پہلے تمام ہندوستان میں کفر و بت پرستی کا رواج تھا اور ہند کا ہر ایک سرکش " انا ربکم الاعلیٰ " کا دعوے کرتا تھا

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور اپنے آپ کو اللہ تعالےٰ کا شریک سمجھتا تھا اور وہ سب پتھر، ڈھیلے، درخت، چوپایوں اور گائے اور ان کے گوبر کو سجدہ کرتے تھے اور کفر کی تاریکی سے ان کے دلوں کے تالے اور بھی مضبوط ہو رہے تھے ؎

ہمہ غافل از حکمِ دین و شریعت ہمہ بے خبر از خدا و پیمبر
نہ ہرگز کسے دیدہ ہنجار قبلہ نہ ہرگز شنیدہ کس اللہ اکبر

جناب کے ہند میں تشریف لانے سے جو کہ اہلِ یقین کے آفتاب اور درحقیقت معین الدین تھے۔ اس ولایت کی تاریکیِ کفر نورِ اسلام سے روشن اور منور ہو گئی ؎

از تیغِ او بجائے صلیب و کلیسیا در دارِ کفر مسجد و محراب و منبر است
آں جا کہ بود نعرۂ فریادِ مشرکاں اکنوں خروشِ نعرۂ اللہ اکبر است (ص ۴۳)

اجمیر فتح کرنے کے بعد غوری کے نائب السلطنت قطب الدین ایبک نے اجمیر کی حکومت رائے پتھورا کے لڑکے کو خراج کے وعدے پر تفویض کی تھی۔ لیکن جب اس کے چچا نے اسے شکست دے کر اجمیر سے نکال دیا تو ایبک نے پھر اس شہر کو فتح کر کے یہاں ایک مسلمان گورنر مقرر کیا۔ سب سے پہلے گورنر سید حسین مشہدی خنگ سوار تھے۔ اب حضرت خواجہ کے کام میں کوئی رکاوٹ نہ رہی۔ آپ دلجمعی سے یادِ الٰہی میں مشغول ہو گئے اور جو کوئی آپ کے پاس اخذِ فیض یا روحانی راہنمائی کے لیے آتا اس کی آپ ہر طرح مدد کرتے۔ آپ کی وفات (۹۷) برس کی عمر میں ۶۳۳ھ (مارچ ۱۲۳۵ء) میں ہوئی۔ مزار شریف اجمیر میں ہے اور زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

ہندوستان آکر آپ کا قیام بیشتر اجمیر میں رہا۔ دہلی میں چشتی سلسلہ کا کام آپ نے اپنے خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو سونپ رکھا تھا۔ جنھوں نے یہ کام بڑی خوبی سے سرانجام دیا۔ آپ کے مشہور مرید فقط دو ہوئے ہیں۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور سلطان التارکین شیخ حمید الدین ناگوری (اگرچہ شیخ کبیر بابا فرید گنج شکر نے بھی ایک مرتبہ آپ سے براہِ راست فیض حاصل

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کیا تھا[1]) لیکن عنایتِ الٰہی سے آپ کا سلسلہ اس طرح پھیلا کہ ہندوستان کے تمام سلسلوں پر غالب آگیا۔ حضرت خواجہ کے ملفوظات کا ایک مجموعہ دلیل العارفین کے نام سے شائع ہُوا ہے۔ اس کی ترتیب حضرت خواجہ قطب الدین سے منسُوب کی جاتی ہے۔ لیکن یہ مجموعہ وضعی ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین نے اجمیر میں اپنا وقت نہایت خاموشی سے گزارا۔ صرف ایک مرتبہ آپ کے ایک سفرِ دہلی کا ذکر ملتا ہے۔ اور یہ سفر دلچسپی سے خالی نہ رہا۔ سیر الاولیا میں لکھا ہے کہ شیخ الاسلام شیخ معین الدین اجمیری کے پاس اجمیر کے گرد و نواح میں ایک گاؤں بطورِ جاگیر حاصل تھا۔ مقامی حکام نے تقاضا کیا کہ اس کے لیے شاہی فرمان حاصل کیا جائے اور شیخؒ کے صاحبزادوںؒ نے انھیں اس پر مجبُور کیا کہ وہ دہلی جائیں اور بادشاہ سے فرمان لائیں۔ چنانچہ شیخ کو اِس ضرورت کی بناء پر اجمیر سے دہلی آنا پڑا۔ دہلی میں وہ شیخ قطب الدین کے پاس ٹھہرے۔ شیخ قطب الدین نے کہا کہ آپ کو (بادشاہ کے پاس) جانے کی ضرورت نہیں۔ مَیں جاتا ہوں اور یہ فرمان لے آتا ہوں۔ چُنانچہ وہ

---

[1] سیر الاولیا میں حضرت سلطان المشائخؒ کی زبانی لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ اجمیری خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور بابا فرید ایک ہی حُجرے میں سوئے تھے۔ "شیخ معین الدین نے شیخ قطب الدین کو فرمایا کہ بختیار، اس جوان کو کب تک مجاہدے سے جلاؤ گے۔ اسے کچھ عنایت کرو۔ شیخ قطب الدین نے عرض کی کہ میری کیا مجال کہ آپ کے رُوبرو بخشوں۔ شیخ معین الدین نے فرمایا کہ یہ مرید آپ کا ہے۔ پھر کھڑے ہو کر فرمایا کہ آؤ دونوں مل کر بخشیں۔ چنانچہ دائیں طرف شیخ معین الدین کھڑے ہوئے اور بائیں طرف شیخ قطب الدین اور بیچ میں آپ۔ اور آپ کو دونوں صاحبوں نے جو بخشا، سو بخشا" (سیر الاولیا ص ۶۴-۶۵)

[2] ملاحظہ ہو سیر الاولیا (فارسی مطبوعہ ایڈیشن) ص ۵۳ "فرزندان شیخ را برآں آورند کہ در شہر برود و از بادشاہ مقرر داشت بیارد" اُردو ایڈیشن میں اس کا غلط ترجمہ کیا گیا ہے اور اس سفر کو حضرت خواجہ کی اولاد "اس لیے ان کی اولاد میں سے ایک شخص اجمیر سے چل کر دہلی .... آیا" (ص ۵۰)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سلطان شمس الدین التمش کے پاس گئے۔ بادشاہ انھیں دیکھ کر حیران ہُوا۔ کیونکہ اس سے پہلے وہ بادشاہ کے پاس کبھی نہ گئے تھے۔ بلکہ جب خود بادشاہ نے ان سے ملنے کی خواہش کی تو انھوں نے قبول نہ کیا۔ چنانچہ جس وقت ملاقات ہوئی تو بادشاہ نے اسی مجلس میں فرمانِ مقرر داشت مع اشرفیوں کے ـــــ توڑوں کے ان کے حوالے کیا۔ شیخ قطب الدین نے یہ چیزیں لاکر شیخ معین الدین کی خدمت میں پیش کیں اور شیخ معین الدین نے شیخ قطب الدین کی شہرت اور ان کے حق میں خلقت کا اعتقاد ملاحظہ کیا تو فرمایا کہ تم نے یہ کیا کر رکھا ہے۔ عزلت میں پوشیدہ رہنا بہتر ہے۔ شیخ قطب الدین نے عرض کیا کہ بندہ نے تو اس بارے میں کچھ بھی نہیں کیا۔[1]

سفرِ دہلی کے دوران میں ہی آپ کو شیخ قطب الدین اور شیخ نجم الدین صغرا کے اختلافات سے واقفیت ہوئی۔ سیر الاولیا میں سلطان المشائخ کی زبانی لکھا ہے کہ خواجہ معین الدین اجمیر سے دہلی آئے تو اس وقت شیخ نجم الدین صغرا دہلی میں شیخ الاسلام تھے۔ اِن دونوں میں پُرانی دوستی تھی۔ چنانچہ حضرت خواجہ ان سے ملنے گئے۔ شیخ نجم الدین اس وقت اپنے مکان کے صحن میں ایک چبوترہ بنوا رہے تھے۔ جب حضرت کو دیکھا تو تپاک سے آگے نہ بڑھے۔ اس پر خواجہ صاحب نے فرمایا کہ شاید شیخ الاسلامی نے تمھارے دماغ کو برہم کر رکھا ہے۔ نجم الدین نے کہا کہ مَیں تو وہی مخلص اور مُعتقد ہوں، لیکن آپ نے اس شہر میں ایک ایسا مرید چھوڑ رکھا ہے جو میری شیخ الاسلامی کی کچھ بھی حقیقت نہیں سمجھتا۔ حضرت خواجہ نے مسکرا کر فرمایا کہ تم فکر نہ کرو۔ مَیں بابا قطب الدین کو اپنے ساتھ اجمیر لے جاؤں گا۔ جب آپ مکان پر تشریف لائے تو خواجہ قطب الدین سے فرمایا کہ بابا بختیار تم یکبارگی اِس طرح مشہور ہو گئے ہو کہ خلقت تمھارے متعلق شکایت

---

[1] سیر الاولیا۔ (ص ۹۰)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کرتی ہے۔ بہتر ہے کہ تم میرے ساتھ اجمیر چلو اور وہیں اقامت کرو۔ چنانچہ دونوں بزرگ دہلی سے اجمیر کی طرف جانے کے لیے تیار ہوئے۔ لیکن اس سے تمام دہلی میں شور برپا ہوگیا۔ اور اہلِ شہر مع سلطان شمس الدین التمش کے آپ کے پیچھے روانہ ہوئے۔ جب حضرت خواجہ اجمیری نے یہ حال دیکھا تو فرمایا کہ بابا بختیار! تم یہیں قیام کرو میں نہیں دیکھ سکتا کہ تمہارے جانے سے اتنے لوگوں کی دل شکنی ہو۔ چنانچہ سلطان شمس الدین حضرت خواجہ کی قدم بوسی کے بعد اہلِ شہر اور شیخ قطب الدین کے ساتھ خوشی خوشی دہلی کی طرف واپس پھرا اور حضرت خواجہ اجمیر کی سمت روانہ ہوئے۔[1]

اولیا کے صحیح حالات مرتب کرنے میں جو مشکلات ہوتی ہیں ان کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ حضرت خواجہ اجمیریؒ کی تاریخِ وفات بھی شبہ سے بالا نہیں۔ عام طور پر تذکروں میں ۶ رجب ۶۳۳ھ درج ہے۔ لیکن جناب معنی اجمیری، جنھوں نے تاریخ السلف میں اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی ہے ۶۳۲ھ کو سالِ وصال مانتے ہیں اور وجہ اس کی یہ بتاتے ہیں کہ اگر ۶۳۳ھ کو سالِ وصال مانیں تو پھر یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، جن کی معتبر تاریخ وفات ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ ہے، اپنے مرشد سے پہلے وفات پاگئے تھے۔ فرشتہ نے خواجہ قطب الدین کی تاریخ وفات ۶۳۴ھ دی ہے۔ لیکن چونکہ سیر الاولیا میں قاضی محی الدین کاشانی کی زبانی خواجہ قطب الدین کا سالِ وفات وہی بتایا گیا ہے، جو سلطان شمس الدین التمش کا تھا (یعنی ۶۳۳ھ) اس لیے فرشتہ کا بیان قابلِ تسلیم نہیں۔ اور اخبار الاخیار وغیرہ میں ۶۳۳ھ ہی درج ہے۔ ہمارے خیال میں خواجہ معین الدین اجمیری اور خواجہ قطب الدین دونوں کا سالِ وصال ۶۳۳ھ ہے۔ لیکن حضرت خواجہ

---

[1] سیر الاولیا ص ۵۴

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

معین الدین اجمیریؒ نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے چند ماہ بعد انتقال کیا۔[1]

حضرت خواجہ کی وفات کے بعد اُن کی نعش مُبارک اسی حُجرے میں دفن کر دی گئی، جس میں آپ عبادت کیا کرتے تھے۔ لیکن پُختہ مزار کوئی تعمیر نہ ہُوا۔ اور آپ کی وفات کے کوئی ڈھائی سو سال تک بیرونی دُنیا نے اجمیر اور خواجہ اجمیر کو فراموش کیے رکھا۔ فقط شیخ حمید الدین ناگوری کے جانشین کبھی کبھی راجپوتانے کے دوسرے بڑے اسلامی مرکز ناگور سے آتے اور زیارت و دُعا فاتحہ سے فیض یاب ہوتے۔ ۱۴۶۴ء میں خواجہ حسین ناگوری نے مالوہ کے بادشاہ سلطان محمود خلجی سے استدعا کی اور حضرت خواجہ کا پُختہ مزار تعمیر ہُوا۔ ۱۵۷۰ء میں اکبر نے درگاہ میں ایک شاندار مسجد تعمیر کرائی اور خود زیارت کے لیے بارہا حاضر ہُوا۔ اس کے بعد درگاہ کو بڑی رونق ہوئی۔ جہانگیر ایک زمانے میں عرصے تک اجمیر میں مقیم رہا اور نو مرتبہ درگاہ کی زیارت کو حاضر ہُوا۔ لیکن درگاہ میں سب سے شاندار اضافہ شاہجہان نے کیا۔ جس نے سفید سنگ مرمر کی ایک خوبصورت جامع مسجد بنوائی اور نقار خانے میں ایک بلند دروازے کا اضافہ کیا۔ روضے کا شاندار گنبد بھی شاہجہان نے تعمیر کرایا تھا۔

حضرت خواجہ بزرگؒ کو زمانہ ان کی پاک زندگی، مبلغانہ اور مصلحانہ کوششوں اور رُوحانی عظمت کی وجہ سے مانتا ہے، لیکن ان کی زندگی کا ایک اَور پہلو بھی تھا جس سے اکثر لوگ رُوشناس نہیں۔ آپ شاعر بھی تھے اور آپ کے اشعار کی تعداد سات آٹھ ہزار کے قریب تھی۔ فارسی شعرا کے مشہور تذکرہ آتشکدہ میں آپ کی دو رُباعیاں نقل ہوئی ہیں ؎

---

[1] سیر الاولیا کے ص ۴۳ پر حاشیہ پر کتاب کے ایک ایسے نسخے کی عبارت درج ہے جو متن سے مختلف ہے۔ اس نسخے میں خواجہ معین الدینؒ کے سفرِ دہلی کا ذکر کرکے لکھا ہے: "شیخ معین الدین بسوے اجمیر رواں شد۔ ہنوز شیخ معین الدین در اجمیر نرسیدہ بود کہ شیخ قطب الدین بختیار در شہر برحمت حق پیوست۔"

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عاشق ہر دم فکر رُخِ دوست کند معشوق کرشمہ کہ نکوست کند
ماجُرم وگنہ کنیم و او لُطف و عطا ہر کس چیزے کہ لائق اوست کند

اے بعد نبی بر سرِ تو تاج نبی اے دادہ شہاں زتیغِ تو باج نبی
آنی تو کہ معراجِ تو بالاتر شد یک قامتِ احمدی زمعراج نبی

علامہ اقبالؒ نے بھی اپنی ایک تصنیف میں ذیل کا شعر حضرت خواجۂ بزرگ سے منسوب کیا ہے ؎

سر داد نداد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ ہست حسینؓ

سیر السالکین میں آپ کی نسبت لکھا ہے:-

"حضرت ایشاں در زمرۂ شعرائے نامدار از مغتنماتِ روزگار اند و در اصنافِ شعر قصیدہ و غزل مرعی دارند مجموعہ کلام عرفان آنحضرت کہ گنجینہ بیش از ہفت ہشت ہزار بیت بودہ۔ از دست دوراں نامہرباں از میان رفت و اندکے ازاں ماندہ"

چند سال ہوئے مطبع نولکشور نے "دیوان حضرت خواجہ معین الدین" کے نام سے فارسی غزلیات اور قصائد کا ایک مجموعہ شائع کیا تھا، جسے حضرت خواجہ کے عقیدت مند آپ کا کلام سمجھتے ہیں۔ لیکن حافظ شیرانی نے ایک فاضلانہ اور مدلل مضمون میں اس دیوان کے اصلی ہونے پر شبہ ظاہر کیا ہے اور ہندوستان میں برگزیدہ ہستیوں سے بلا کسی تحقیق کے دوسروں کا کلام منسوب کرنے کا مرض اس قدر عام ہے کہ کوئی ایسا مجموعہ جو قابل اعتماد ذریعوں سے دستیاب نہ ہوا اصلی نہیں سمجھا جا سکتا۔

میر سید حسین خنگ سوار | خواجہ بزرگ کے معاصرین سے ہم میر سید حسین خنگ سوار کا ذکر کر چکے ہیں۔ وہ سلطان محمد غوری کی فوج کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے اور یہیں بس گئے۔ غوری کے چلے جانے کے بعد قطب الدین نے خود پہلے کہرام اور پھر دہلی میں قیام کیا اور اجمیر میں میر خنگ سوار کو داروغہ

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مقرر کیا[1]، جو شیعہ مذہب کے تھے ۔ وہ حضرت خواجہ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے ۔ خواجہ بزرگ کی دوسری شادی آپ ہی کے خاندان میں ہوئی ۔ آپ اکثر حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر رہتے اور محرمانہ صحبتیں برپا ہوتیں ۔ بہت سے لوگ آپ کی بدولت حضرت خواجہ کی خدمت میں باریاب ہو کر خلعتِ اسلام سے شرف یاب ہوتے تھے ۔ اس لیے اس علاقے کے غیر مسلم آپ کے خلاف ہو گئے ۔ جب قطب الدین ایبک کی وفات کی خبر اجمیر میں مشہور ہوئی تو اُن لوگوں کی جُرأت بڑھی ۔ اس وقت آپ کا بیشتر لشکر اجمیر سے باہر تھا اور آپ معدُودے چند آدمیوں کے ساتھ قلعہ میں مقیم تھے ۔ مخالفین نے ایک بڑی جماعت کے ساتھ حملہ کیا اور آپ کو سب ساتھیوں کے ساتھ شہید کر دیا ۔ صبح کے وقت حضرت خواجہ بزرگ تشریف لائے اور شہدا کی نمازِ جنازہ پڑھائی ۔ میر خنگ سوار کا مزار تارا گڑھ کی پہاڑی پر ہے اور قریب ہی "گنج شہیداں" ہے، جہاں آپ کے ہمراہی دفن ہیں ۔ آپ کے مزار کی نسبت ایک قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اس میں بہت سا اضافہ دو ہندو امرا نے کرایا[2] ۔

صُوفی حمید الدین ناگوریؒ حضرت خواجہ اجمیری کے خلفائے کبار میں سے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے ۔ دوسرے بڑے خلیفہ سلطان التارکین شیخ حمید الدین صوفی ناگوری تھے ۔ وہ بھی بڑے پلے کے بزرگ اور کئی کتابوں کے مصنف تھے ۔ ان کی سب سے مشہور تصنیف اصول الطریقت ہے، جس سے شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں طویل اقتباسات دیے ہیں ۔ آپ کے ملفوظات سرور الصدور کے نام سے آپ کے پوتے اور خلیفہ شیخ فرید الدین نے جمع کیے ہیں لیکن وہ ابھی شائع نہیں ہوئے ۔ اخبار الاخیار میں آپ کے

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۲۷۷

[2] اجمیر از پنڈت ہربلاس ساردا ۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مکتوبات اور اشعار کا بھی ذکر ہے۔ بالخصوص وہ خط و کتابت جو شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے درمیان ہوئی۔ خاص دلچسپی رکھتی ہے۔ اس کے متعلق سیر الاولیاء میں لکھا ہے:۔

"جس زمانے میں شیخ حمید الدین سوالی[1] کی شہرت ہوئی۔ ان دنوں ایک سوداگر جو ناگور سے تل لے جا کر ملتان میں بیچتا اور وہاں سے روئی لا کر ناگور میں فروخت کرتا۔ وہی سوداگر شیخ حمید الدین اور شیخ بہاء الدین زکریا کے خطوط ایک دوسرے کے پاس لے جاتا۔ شیخ حمید الدین نے شیخ بہاء الدین کو لکھا کہ مجھے ٹھیک معلوم ہے کہ آپ واصلانِ خدا میں سے ہیں اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ (دولتِ) دنیا کو خدا تعالےٰ نفرت سے دیکھتا ہے۔ پھر کیا بات ہے کہ آپ جیسا بزرگ اس دشمنِ خدا کو دور نہیں کرتا۔ شیخ بہاء الدین نے جواب میں لکھا کہ یہ بھی معلوم ہے کہ دنیا کہتے کسے ہیں؟ اور اس میں سے میرے پاس کس قدر رہے گی؟ آپ نے دنیا کی حقارت کے متعلق کئی تمثیلیں لکھیں، لیکن شیخ حمید الدین کی تسلی نہ ہوئی۔ انھوں نے اس بارے میں کئی مرتبہ لکھا اور سوچا کرتے کہ اگر یہ ٹھیک ہے تو "ضدّان لَا یَجْتَمِعَان" (ایک دوسرے کی مخالف چیزیں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں) کا کیا مطلب ہے۔ جب شیخ حمید الدین نے اس بارے میں غلو کیا تو عالمِ غیب سے ان پر یہ بھید ظاہر ہو گیا۔ لیکن انھوں نے اسے کسی کو بتایا نہیں[2]۔"

آپ کی عمر شریف میں خدا نے بڑی برکت دی۔ کہا جاتا ہے کہ فتح دہلی کے بعد کسی مسلمان کے گھر میں سب سے پہلی اولاد جو ہوئی وہ آپ ہی تھے۔ حضرت خواجہ اجمیری کے زمانے سے حضرت سلطان المشائخ کی ابتدائے حیات تک زندہ رہے اور ۱۲۷۴ء میں وفات پائی۔

---

[1] سوالے ناگور کے قریبی جوار میں ایک گاؤں تھا۔ اس لیے آپ کو بالعموم ناگوری لکھتے ہیں۔

[2] سیر الاولیا (فارسی) ص ۱۵۸

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نندربار علاقہ خاندیش

اِسی قافلہ کے ایک اور بزرگ سیّد علاءالدین نذر باری تھے۔ جنھوں نے ۶۱۲ھ میں خاندیش کے مشہور شہر نندربار (جسے اسلامی حکومت کے زمانے میں نذربار کہتے تھے) جامِ شہادت پیا۔ یہ شہر خاندیش اور گجرات کی سرحد پر واقع ہے اور قدیم زمانے سے تجارتی سرگرمیوں کا مرکز رہا ہے۔ سیّد علاءالدین صحیح النسب سیّد تھے اور مشہور ہے کہ میر سیّد حسین خنگ سوار کے برادرِ حقیقی تھے۔ نقل ہے کہ آپ ایک روز حضرت خواجہ بزرگ کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ ایک سیّد مظلوم آیا اور حضرت سے عرض کیا کہ میں نذربار علاقہ خاندیش میں گیا تھا۔ وہاں کا حاکم رائے نند اگادلی ہے۔ اس نے اور اہالیانِ شہر نے مجھ سے پُوچھا کہ تم کون ہو، اور کہاں سے آئے ہو۔ مَیں نے کہا کہ مَیں سیّد ہوں، عرب سے آیا ہوں اور مسلمان ہوں۔ اس پر راجہ نے حکم دیا کہ اسے مارو اور شہر سے خارج کر دو۔ چنانچہ اہلِ شہر نے مجھ کو مارا۔ میرا ہاتھ قطع کیا اور طرح طرح کی ایذا دے کر مجھ کو نکال دیا۔ اس پر حضرت خواجہ بزرگ نے سیّد علاءالدین نذر باری کو حکم دیا کہ آپ جائیے اور کفار کو سزا دیجیے۔ آپ حسب الارشاد مع چند ساتھیوں کے نذربار پہنچے۔ نذربار کے راجا سے آپ کے کئی معرکے ہوئے جن میں آپ شہید ہوئے۔ لیکن بالآخر راجا کو شکست ہوئی اور شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ یہ تفصیلات تذکرہ اولیاے دکن میں درج ہیں۔ ضلع (مغربی) خاندیش کے سرکاری گزیٹیر میں لکھا ہے کہ "پہلے نندربار میں گاولیوں کا راج تھا، لیکن سمن (؟) معین الدین چشتی نے، جن کے ساتھ سیّد علاءالدین پیر تھے۔ ان سے لڑکر شہر فتح کر لیا۔ سیّد علاءالدین یہاں شہید ہوئے لیکن ان کی کرامات سے مُسلم فوج کو کامیابی ہوئی۔ اب بھی شہر سے باہر ایک مسجد ہے، جسے اوّل غازی یا علاءالدین غازی کی مسجد کہتے ہیں"۔ سیّد علاءالدین کی قبر شہر سے باہر ایک ٹیلے پر بنائی گئی تھی لیکن مرورِ زمانہ سے وہ ہموار ہو گئی۔ پھر حضرت

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شاہ عالم (احمد آبادی) نے کشفِ باطنی کے ذریعہ قبر کا نشان بتایا اور ۹۹۶ھ میں ملک ناصر نے قبر اور گنبد اور ملک چمن نے مسجد پختہ تعمیر کرادی۔ سید علاء الدین کے ہمراہ ایک بزرگ شیر ابو الغازی نامی تھے، جن کا مزار نذر بار کے دروازے کے باہر واقع ہے۔ سید صاحب کی شہادت ۶۱۲ھ میں بتائی جاتی ہے۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ زیادہ تر اجمیر میں رہے۔ دہلی میں ان کے سلسلے کا کام حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کرتے تھے۔ آپ ترکستان کے شہر اوش میں پیدا ہوئے اور تعلیم و تربیت کے بعد بغداد میں حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے مرید ہوئے۔ جب حضرت خواجہ بزرگؒ ہندوستان تشریف لے آئے تو حضرت بختیار کاکی بھی ان کی زیارت کے لیے بغداد سے ہندوستان آئے۔ پہلے ملتان پہنچے اور شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے مہمان رہ کر دہلی آئے۔ اس کے بعد آپ نے حضرت خواجہ بزرگؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن انھوں نے جواب دیا کہ قربِ روحانی کے آگے بُعدِ مکانی کوئی چیز نہیں[1] تمھیں دہلی ہی میں قیام کرنا چاہیے۔ چنانچہ حضرت بختیار کاکی اس کے بعد دہلی ہی میں رہے۔

حضرت خواجہ نے دہلی میں بڑا اثر حاصل کیا۔ خاص و عام ان کے عقیدتمند ہوئے۔ ان کی طبیعت میں استغراق و انجذاب کا بھی ایک بڑا عنصر تھا۔ سیر الاولیا میں سلطان المشائخ کے حوالے سے لکھا ہے کہ "شیخ الاسلام قطب الدین کا ایک چھوٹا بیٹا تھا، وہ فوت ہوگیا اور اُسے دفن کرکے واپس آئے تو آپ کی زوجہ محترمہ نے گریہ وزاری شروع کی۔ آپ نے ایک رفیق شیخ بدر الدین غزنوی سے پوچھا: کیا ماجرا ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ مخدوم زادہ فوت ہوگیا ہے اور اس کی والدہ غم سے بے قرار ہوکر آہ وزاری کر رہی ہیں۔ آپ افسوس کرنے لگے اور

---

[1] سیر العارفین ص ۲۱

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فرمایا کہ اگر مجھے اس کی علالت کا پتا ہوتا تو میں ضرور اس کی زندگی کے لیے خدائے تعالیٰ سے دُعا کرتا۔ یہ واقعہ بیان کر کے سلطان المشائخ نے فرمایا کہ دیکھو، استغراق کس درجے کا تھا کہ اپنے بیٹے کی زندگی یا موت کی خبر ہی نہیں[1]۔

آپ کے حالات دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ شریعت اور طریقت کی جس کشمکش نے آگے چل کر ہندوستان کی تاریخ میں بعض خوشگوار صورتیں اختیار کیں آپ کے زمانے میں شروع ہو گئی تھی۔ سیر العارفین میں لکھا ہے کہ اس زمانے میں شیخ الاسلام کا عہدہ خالی ہوا۔ سلطان شمس الدین التمش نے حضرت بختیار کاکیؒ سے یہ عہدہ قبول کرنے کی خواہش کی، لیکن آپ نے منظور نہ کیا۔ بالآخر یہ عہدہ شیخ نجم الدینؒ صغرا کو ملا، جو ایک باخدا بزرگ تھے اور حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے عزیز اور عقیدت مند تھے۔ لیکن خواجہ بختیار کاکیؒ سے ان کی نہ بن سکی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ خواجہ صاحب کو سماع کا شوق تھا اور شیخ الاسلام اس پر اعتراض کرتے تھے۔ دُوسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ شیخ الاسلام کو یہ بھی ناگوار تھا کہ لوگ خواجہ صاحب کا ادب مجھ سے زیادہ کرتے ہیں۔ چنانچہ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں، ان اختلافات کو مٹانے کے لیے حضرت خواجہ اجمیریؒ نے خواجہ قطب الدین کو اجمیر چلنے کا مشورہ دیا اور وہ اس کے لیے تیار بھی ہوئے، لیکن معتقدین کے اصرار کی وجہ سے یہ ارادہ ترک کرنا پڑا۔

سلطان شمس الدین التمش حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا بڑا معتقد تھا۔ سیر العارفین میں لکھا ہے کہ جب التمش نے ان کے دہلی آنے کی خبر پائی تو خدا کا شکر بجا لایا اور حضرت سے شہر دہلی کے اندر آ کر قیام کرنے کی درخواست کی۔ حضرت خواجہ نے کمیٔ آب کی بنا پر یہ درخواست قبول نہ کی، لیکن دُوسرے

---

[1] فوائد الفواد ص ۶۳۔ سیر الاولیا (اُردو) ص ۴۶۔ سیر العارفین ص ۲۷

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

موقعوں پر جب آپ اندرونِ شہر تشریف لائے تو سلطان نے شاندار طریقے سے استقبال کیا اور باہمی مراسم پیدا ہو گئے[1]۔ بلکہ بعض تو کہتے ہیں کہ دہلی کا قطب مینار اسی پاک ہستی کی یادگار میں سلطان نے تعمیر کروایا[2]۔

سلطان شمس الدین التمش درویشانہ طبیعت کا انسان تھا اور صوفیہ سے بڑی عقیدت رکھتا تھا طبقاتِ ناصری میں اس کی نسبت لکھا ہے:۔

"غالب ظن است کہ ہرگز بادشاہے بحسنِ اعتقاد و آب دیدہ و تعظیم علما و مشائخ مثل او از مادر خلقت در قماطِ سلطنت نیامدہ۔

التمش کے عہدِ حکومت میں دہلی میں سماع کا عام رواج ہو گیا اور اس میں بادشاہ کی درویشانہ طبیعت کے علاوہ قاضی حمید الدین ناگوری اور قاضی منہاج سراج (مصنف طبقاتِ ناصری) کے اثر کو بڑا دخل تھا۔ فوائد الفواد میں حضرت سلطان المشائخ کا ایک ارشاد نقل ہوا ہے:

"سکہ سماع دریں شہر قاضی حمید الدین ناگوری نشاند رحمۃ اللہ علیہ و قاضی منہاج الدین ہمچوں او قاضی شد و صاحب سماع بود۔ بسبب ایشاں ایں کار استقامت پذیرفت

(ص ۲۳۹)

قاضی حمید الدین ناگوری بخارا سے دہلی آئے تھے۔ چونکہ وہ تین سال ناگور میں قاضی رہے، اس لیے ناگوری مشہور ہیں۔ اس کے بعد ان پر جذبۂ درویشی غالب آیا۔ بغداد میں جاکر شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید ہوئے۔ وہ سہروردی سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ جس میں سماع کا عام رواج نہیں، لیکن وہ دہلی میں آکر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے عقیدت مندوں میں داخل ہو گئے۔ سیر العارفین میں ان کی نسبت لکھا ہے: "اگرچہ بعضے از سہروردیاں سماع بر سبیل ندرت بشنوند۔ اما او را بواسطۂ صحبت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہ

---

[1] سیر العارفین ص ۲۰۔۲۱   [2] کیمبرج ہسٹری جلد سوم ص ۵۵

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دریں کار استغراقے وغلوے تمام بود" دارالخلافہ کے ارباب ظاہر نے اس کی مخالفت کی۔ لیکن شیخ حمید الدین ناگوری خود اہلِ علم تھے اور بلا کے ذہین، ظریف اور حاضر دماغ تھے۔ وہ شرعی دلیلوں اور حیلوں سے مخالفوں سے بازی لے جاتے۔ اس کے بعد جب قاضی منہاج الدین ایک طرح کے قاضی القضاۃ ہوئے تو سماع کی بنیادیں اور گہری ہوگئیں۔ لیکن جب سلطان غیاث الدین تغلق کے عہدِ حکومت میں شرعی احکام کی پابندی پر زیادہ زور دیا جانے لگا تو جیسا کہ ہم آگے چل کر بتائیں گے سماع پر زیادہ موثر اعتراضات شروع ہوئے اور خود سلطان المشائخ کو علما کے ایک محضر میں جواب دہ ہونا پڑا۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو سماع کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ فوائد الفواد میں سلطان المشائخ کی زبانی لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ خواجہ قطب الدین علی سجستانی کی خانقاہ میں تشریف لے گئے۔ وہاں محفلِ سماع برپا تھی اور قوال یہ بیت گا رہے تھے ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر است

حضرت خواجہ کے مزاج میں ایسا تغیر ہوا کہ بے ہوش ہوگئے۔ ان کے ساتھی انھیں مکان پر واپس لے آئے لیکن جب انھیں ہوش آیا تو قوالوں کو پھر اسی شعر کی تکرار کا حکم دیا اور خواجہ وجد فرما کر پھر حال میں مستغرق ہوگئے۔ یہ حالت چار شبانہ روز جاری رہی اور حضرت خواجہ کا بند بند درد کرنے لگا۔ بالآخر اسی حالت میں ۲۷ر دسمبر ۱۲۳۵ء دنیا کو الوداع کہا۔ فوائد الفواد میں سلطان المشائخ کی زبانی لکھا ہے کہ جب حضرت خواجہ کی وفات ہوئی، اُس وقت بابا فرید

لہ ملاحظہ ہو فوائد الفواد ص ۱۴۴۔ [لیکن حضرت خواجہ کے ملفوظات (فوائد السالکین) میں یہ واقعہ خود حضرت خواجہ کی زبانی درج ہے۔ ان ملفوظات کی بے اعتباری کا اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے!]

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہانسی میں تھے۔ وہ حضرت خواجہ کی خدمت میں دو ہفتے کے بعد حاضر ہوتے تھے، لیکن قاضی حمید الدین ناگوری اور شیخ بدر الدین غزنوی تو ہر روز موجود رہتے تھے۔ ان دونوں کا خیال تھا کہ خلافت ہمیں ملے گی، لیکن خواجہ قطب الدین نے انتقال سے پہلے فرمایا کہ میرا جامہ، عصا، مُصلّا اور لکڑی کے نعلین شیخ فرید الدین کو دینا۔ چنانچہ وہی حضرت خواجہ کے جانشین ہوئے۔ (فوائد الفواد ص ۱۸۷)

شیخ کبیر بابا فرید گنج شکرؒ

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا انتقال ۱۲۳۵ء میں ہُوا اور ان کے بعد حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے جانشین حضرت شیخ کبیر بابا فرید الدین گنج شکرؒ ہوئے۔ ان کے آباد اجداد کابل میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ اور چنگیزی حملے کے دوران میں وہاں سے ہجرت کر کے ہندوستان تشریف لائے۔ شیخ کبیر کے دادا مُلتان کے نزدیک کھوتوال میں قاضی مقرر ہوئے اور یہیں بابا صاحب، جن کا اصل نام مسعود تھا، پیدا ہوئے۔ کھوتوال میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ ملتان تشریف لے گئے۔ اور حصولِ تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہاں اٹھارہ برس کی عُمر میں خواجہ قطب الدین سے مُلاقات ہوئی۔ ان کے ساتھ آپ دہلی کی طرف چلے۔ سیر العارفین میں لکھا ہے کہ آپ نے تین منزلیں شیخ قطب الدین کے ساتھ طے کی تھیں کہ اُنھوں نے بابا فرید کو فرمایا کہ وہ پہلے علومِ ظاہری کی تکمیل کر لیں اور پھر ان کے پاس دہلی آئیں۔ خوش نصیب مسعود نے اسی طرح کیا۔ پانچ سال تکمیلِ تعلیم کے لیے خطۂ قندھار میں گزارے[1] اور پھر دہلی آئے۔ تھوڑے ہی دنوں میں شیخ قطب الدین نے

---

[1] سیر العارفین ص ۳۶۔ سیر الاولیا کا بیان اس سے قدرے مختلف ہے۔ لیکن فوائد الفواد سیر الاولیا اور دوسری کتب سے آپ کی جو ٹھوس علمی استعداد نظر آتی ہے اسے دیکھ کر سیر العارفین کا بیان بالکل قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آپ کو نعمتہائے رُوحانی سے مالا مال کر دیا۔ جب آپ نے دیکھا کہ دہلی میں ہجوم مریدوں کی وجہ سے یکسوئی مُیسّر نہیں ہوتی تو مُرشد کی اجازت سے ہانسی چلے گئے، لیکن وہاں سے دہلی آتے جاتے رہے اور ایک دفعہ جب حضرت خواجہ بُزرگ اجمیر سے دہلی آئے ہوئے تھے تو آپ ان کی توجہ سے بھی فیض یاب ہوئے۔ سیر العارفین میں لکھا ہے کہ خواجہ بزرگ بابا فرید کے ذوق و شوق اور روحانی استعداد سے اتنے متاثر ہوئے کہ اُنھوں نے ان کے مرشد اور اپنے مُرید خواجہ بختیار کاکی سے کہا "بابا بختیار! شہبازِ عظیم بقید آوردہ کہ جُز بہ سدرۃ المنتہیٰ آشیاں نگیرد۔ ایں فرید شمعیست کہ خانوادہ درویشاں منور سازد[1]" چنانچہ یہی ہُوا۔ اور نہ صرف شیخ کبیر نے مغربی پنجاب میں کامیاب اشاعتِ اسلام کی، بلکہ سلطان المشائخ اور شیخ صابر جیسے صاحبِ سلسلہ بزرگوں کی تربیت کر کے چشتیہ سلسلے کو پہلی مرتبہ وسیع اور مستحکم بُنیادوں پر کھڑا کیا۔

مُرشد کی وفات کے بعد بابا فرید پہلے ہانسی، پھر کھوتوال اور بالآخر پاکپتن جو اُن دنوں اجودھن کہلاتا تھا۔ چلے گئے۔ اپنی وفات یعنی ۱۲۶۵ء تک وہیں رہے اور بیعت و ارشاد اور وعظ و تلقین اور یادِ الٰہی میں ساری عُمر گزار دی۔ آپ سے بہت سی کرامات منسوب کی جاتی ہیں لیکن سب سے بڑی کرامت آپ کی بے حرصی اور پاک زاہدانہ زندگی تھی۔ بادشاہوں کے درباروں اور شہری زندگی کے جھگڑوں سے آپ کو بڑی نفرت تھی۔ آپ نے خواجہ بختیار کاکی اور شیخ نجم الدین کے معرکے دیکھے تھے اور جانتے تھے کہ دربار کے قرب سے ایک تو فقرا کو ان قضیوں سے واسطہ پڑتا ہے، جن سے انھیں بچنا ہی مناسب ہے۔ دوسرے ارشاد و ہدایت اور ارشادِ مذہب کا پُورا موقعہ نہیں ملتا۔ چنانچہ خواجہ بختیار کاکی کی زندگی میں آپ زیادہ تر ہانسی میں رہے اور ان کی وفات کے بعد

---

[1] سیر العارفین ص ۲۳

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پاک پٹن تشریف لے گئے۔ آپ جنگل میں رہتے پھٹے پرانے کپڑے پہنتے۔ پیلو اور جنگل کے پھل پھول پر گزارہ کرتے بلکہ زیادہ تر روزہ سے رہتے۔ اسی تقوے اور پرہیزگاری کی وجہ سے لاتعداد لوگ آپ کے معتقد تھے۔ اور شاہانِ وقت بھی آپ کا بڑا احترام کرتے، لیکن آپ کو اصل محبت عزلت نشینی اور عبادت سے تھی۔ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے ؎

ہر کہ در بندِ نام و آوازہ است
خانۂ او برونِ دروازہ است

اجودھن کے نئے ماحول میں آپ کو جن مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا، ان کا اندازہ فقط ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ جب آپ اجودھن تشریف لے گئے تو آپ نے اپنے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل کو کھوتوال بھیجا تاکہ آپ کی والدہ ماجدہ کو وہاں سے لائیں۔ چنانچہ شیخ نجیب الدین نے اپنی بوڑھی ماں کو ایک گھوڑی پر سوار کیا اور خود ان کے ساتھ پاپیادہ اجودھن کو چلے۔ رستے میں ایک بڑا جنگل تھا۔ جس میں وحوش و درند بکثرت تھے۔ آدھے راستے میں پہنچ کر بوڑھی اماں کو پیاس لگی تو شیخ نے انھیں ایک درخت کے نیچے بٹھایا اور خود گھوڑی پر سوار ہو کر پانی کی تلاش کو نکلے۔ جب بہت دیر کے بعد پانی لے کر آئے تو والدہ ماجدہ غائب تھیں۔ ہر طرف ان کی تلاش کی۔ لیکن کوئی پتا نہ چلا۔ ناچار تھک کر اکیلے اجودھن گئے اور جب وہاں سے کچھ آدمی ساتھ لا کر والدہ ماجدہ کی پھر تلاش شروع کی تو فقط ان کی ہڈیاں ملیں[1]۔

خود اجودھن میں شیخ کبیر کے ڈیرے کے حالات پڑھیں تو خیال ہوتا ہے کہ یہ بھی بچھوؤں اور سانپوں کا دل پسند مسکن تھا۔ جس میں ہر طرف درویشوں کے دائیں بائیں خوفناک چیزیں رینگتی پھرتی تھیں۔ سیر الاولیا میں جا بجا، کہیں بابا فرید اور

---

[1] فوائد الفواد ص ۱۲۲

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کہیں ان کے کسی مرید (مثلاً حضرت سلطان المشائخ) کے سانپوں سے ڈسے جانے کا ذکر ملتا ہے۔ اجودھن کے لوگوں کی نسبت بھی لکھا ہے کہ وہ زیادہ تر "کج طبع و درشت مزاج و بد اعتقاد" تھے۔ انھوں نے بابا صاحب کی کوئی پروا نہ کی۔ اسی چیز کو دیکھ کر بابا صاحب نے وہاں ڈیرے ڈال دیے۔ اُنھوں نے لوگوں کی بے توجہی دیکھ کر کہا کہ یہ جگہ خوب ہے۔ یہاں بڑے اطمینان اور فراغ خاطر سے خدائے تعالیٰ کی عبادت ہو سکتی ہے[1]۔ چنانچہ قصبے سے باہر، درختوں کے نیچے اپنا بوریا ڈالا اور عبادت میں مشغول ہو گئے۔

آہستہ آہستہ آپ کی ریاضت و عبادت کی شہرت عام ہونی شروع ہوئی اور پھر تو لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ آنے لگے۔ ان دنوں تختِ دہلی پر سلطان ناصر الدین محمود متمکن تھا۔ جس کی درویش طبعی ضرب المثل ہے۔ وہ ایک زمانے میں لشکر کے ساتھ اچہ اور ملتان کی طرف جا رہا تھا۔ راستے میں اُس نے اپنے نائب السلطنت الغ خان کو جو بعد میں سلطان غیاث الدین بلبن کے نام سے دہلی کا با اقتدار بادشاہ ہوا۔ بابا صاحب کی خدمت میں بھیجا۔ ساتھ ہی زرِ نقد اور چار دیہ کا جاگیر نامہ تھا۔ الغ خاں نے یہ چیزیں بابا صاحب کے سامنے رکھ دیں۔ انھو نے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ تو الغ خان نے جواب دیا کہ خانقاہ کے درویشوں کے لیے کچھ نقدی ہے اور آپ اور آپ کی اولاد کے لیے چار گاؤں کی سند ہے۔ اگر قبول فرمائیں تو ہماری انتہائی خوش قسمتی ہوگی۔ بابا صاحب نے کہا کہ نقدی تو درویشو کے لیے ہے، وہ ان میں تقسیم کر دی جائے اور جاگیر نامہ واپس لے جائیے کیونکہ اس کے دوسرے طالب بہت ہیں[2]۔

آپ خود بھی اربابِ ثروت اور متوسلین حکومت سے دُور رہے اور دوسروں کو بھی یہی ہدایت کرتے رہے۔ عہدِ خلجی کے مشہور درویش سیدی م

---

[1] سیر العارفین ص ۳۲ [2] فوائد الفواد ص ۹۹

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آپ نے اجودھن سے دہلی کے لیے رخصت کرتے وقت جو ہدایت کی تھی اس کا ہم سلطان جلال الدین خلجی کے واقعات حکومت میں ذکر کر چکے ہیں۔ قریباً اسی طرح کی ہدایت آپ نے اپنے پیر بھائی شیخ بدرالدین غزنوی کو دی۔ جو حضرت بختیار کاکی کے مشہور خلفاء میں سے تھے۔ دہلی میں ملک نظام الدین خریطہ دار نے ان کے لیے ایک خانقاہ بنوائی تھی اور ان کے اخراجات کا سارا سامان مہیا کیا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد وہ سرکاری رقم کے غبن کے الزام میں ماخوذ ہوا۔ شیخ بدرالدین کے دل میں بھی خلل پیدا ہونا شروع ہوا۔ انھوں نے بابا فرید کو ایک خط لکھا۔ سارے حالات بیان کیے اور درخواست دعا کی ؎

فرد الدین وقت یار نزدیک — گر بلائش مدد کرم ہست مرگ کنی
در جہاں جرم گر ہیچ روا کی — بہر بخشش کرد سے کو مرحبا کی

بابا صاحب نے خط کو پڑھا اور تبرک کر دیا اور جواب میں لکھا۔

حرف الوحید کا پہنچا اور جو کچھ اس میں درج تھا۔ اس سے آگاہی ہوئی۔ جو کوئی اپنے بزرگوں کی روش پر نہ چلے گا۔ ضرور ہے کہ اسے اس طرح کا ماجرا پیش آئے اور وہ غم و الم سے دوچار ہو۔ آخر ہمارے پیران عظام میں سے کون تھا جس نے اپنے لیے خانقاہ بنوائی؟ اور اس میں مجلس فرمایا ہو۔ؑ

ارباب ثروت سے دور رہنے کے علاوہ معاملات میں اشتغال احتیاط پر آپ کس طرح زور دیتے تھے۔ اس کا اندازہ فوائد الفواد کے ایک اندراج سے ہو سکتا ہے۔ حضرت سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ جب میں شیخ کبیر کا مرید ہوا اور واپسی ہوئی تو انھوں نے کئی مرتبہ فرمایا کہ دشمنوں کو خوش کرنا چاہیے اور صاحب حق کو مطمئن کرنے پر بھی بڑا زور دیا۔ سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ مجھے اس وقت یاد آیا کہ مجھے ایک آدمی کے بیس جیتل دینے ہیں اور ایک کتاب بھی کسی سے

ؑ سیر العارفین صفحہ ۶۸ ۔ فوائد الفواد صفحہ ۹۷

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مُستعار لی تھی، جو گُم ہوگئی ہے۔ حضرت مُرشد کو کشف سے اس کا علم ہوگیا ہے اور اسی کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ مَیں نے دل میں عہد کیا کہ دہلی واپس پہنچتے ہی یہ حساب بے باق کر دوں گا۔ چنانچہ جب میں اجودھن سے دہلی پہنچا تو اس کی فکر ہوئی، لیکن معاش کی بڑی تنگی تھی۔ بیس جیتل جمع ہونے میں نہ آتے تھے۔ جب دس جمع ہوئے تو مَیں انھیں لے کر اس بزاز کے پاس پہنچا، جس کی رقم میرے ذمہ تھی۔ اور کہا کہ تمھارے بیس جیتل دینے ہیں، وہ تو میرے پاس نہیں۔ اِس وقت یہ دس لے لو اور باقی مَیں پھر ادا کروں گا۔ اُس نے یہ سُنا تو بڑا خوش ہُوا۔ اور کہا کہ ہاں، تم مسلمانوں کے پاس سے آتے ہو، یہ اسی کا ثمرہ ہے۔ چنانچہ اُس نے دس جیتل تو لے لیے اور کہا کہ باقی مَیں نے تمھیں بخشے۔ اسی طرح مالکِ کتاب کے پاس جا کے اس کا حساب چُکایا۔ (فوائد الفواد ص ۱۴۰)

شاہانِ وقت اور لاتعداد لوگوں کی عقیدت کے باوجود اخیر عُمر تک شیخ کبیر کے زہد و ریاضت کی جو حالت رہی، اس کے متعلق سیر الاولیا میں ہے:

"سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس سرہ العزیز آخر عمر میں تنگ روزی ہوگئے۔ خصوصاً جب آپ کی رحلت کا موقع آیا۔ یہاں تک کہ ماہِ رمضان میں جب میں وہاں تھا، افطار کے وقت تھوڑا سا کھانا لایا جاتا جو حاضرین کے لیے کافی نہ ہوتا۔ ان دنوں میں نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاتا۔" (ص ۶۰)

اشاعتِ اسلام میں جتنی کامیابی آپ کو ہوئی ہے۔ حضرت خواجہ بختیار کاکی کو شاید ہی ہوئی ہو۔ مغربی پنجاب کے کئی بڑے بڑے قبیلے آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ مثلاً سیال راجپوت، ولٹو وغیرہ[1]۔

---

[1] گزیٹیر ضلع ملتان و ضلع منٹگمری وغیرہ

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

زُہد و عبادت اور چلہ کشی میں انتہائی مصروفیت، اور شہروں اور علمی مجلسوں سے دُوری کے باوجود شیخ کبیر علم و تعلیم میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ چنانچہ خواجہ سید بدرالدین اسحٰقؒ فقرا کے مُنکر ہونے کے باوجود بابا صاحب کی علمیت کی وجہ سے ان کے معتقد ہوئے۔ حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدینؒ نے آپ سے عوارف المعارف کے چند باب، تمہید ابوشکور سلمی اور کئی دوسری کتابیں پڑھیں۔ عوارف سے آپ کو بہت شغف تھا۔ چنانچہ جن دنوں آپ عوارف کا سبق دے رہے تھے۔ آپ کے ہاں بیٹا پیدا ہُوا اور آپ نے اس کا نام عوارف کے مصنف شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی مناسبت سے شہاب الدین رکھا۔

عربی ادب سے بھی آپ کو دلچسپی تھی۔ چنانچہ فوائد الفواد میں سلطان المشائخ کا ارشاد درج ہے کہ جب ایک مرتبہ شیخ کبیر کے سامنے ابوبکر قوال نے عربی کے دو اشعار پڑھے، جو اس نے شیخ بہاءالدین زکریاؒ کو سُنائے تھے اور کہا کہ باقی مصرعے مجھے یاد نہیں رہے تو شیخ کبیر نے باقی سُنا کر بیان کی تکمیل کر دی۔ (فوائد الفواد صر ۱۴۹)

شیخ کبیر بڑے عالم اور عابد تھے، لیکن غالباً اپنے مُرشد شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے زیرِ اثر سماع سے انھیں بڑی دلچسپی ہو گئی تھی اور اہلِ شریعت اس پر اعتراض کرتے تھے۔ لیکن آپ کے اثر و اقتدار اور روحانی سطوت کے سامنے دم نہ مار سکتے تھے[1]

مغربی پنجاب میں کامیاب اشاعتِ اسلام کرنے کے علاوہ آپ نے بڑے بڑے صاحبِ سطوت بزرگوں کی تربیت کی۔ چشتیہ سلسلے کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے دہلی میں رونق دی تھی۔ لیکن خطۂ ہند و پاکستان میں اس سلسلے کو اصل وسعت و استحکام بابا فرید کی ذاتِ بابرکات سے نصیب ہُوا۔

---

[1] فوائد الفواد صر ۹۶

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور فی الحقیقت انھیں اس سرزمین میں سلسلۂ چشتیہ کا موسس ثانی کہا جا سکتا ہے۔ حضرت خواجہ اجمیریؒ نے بابا صاحب کی نسبت فرمایا تھا کہ فرید ایک شمع ہے، جس کی بدولت خانوادۂ درویشاں منور ہو جائے گا۔ چنانچہ یہی ہوا۔ چشتیہ سلسلے کی دو بڑی شاخیں صابریہ اور نظامیہ ہیں۔ ان دونوں کے موسس حضرت بابا صاحب کے مرید، مخدوم علاء الدین صابرؒ اور حضرت سلطان المشائخؒ تھے۔

ان کے علاوہ آپ کے ایک اور عزیز اور قدیمی خلیفہ حضرت قطب جمال الدین ہانسویؒ تھے۔ جنھوں نے قیام ہانسی کے دوران میں آپ سے بیعت کی تھی۔ ان پر آپ کو اتنا اعتماد تھا کہ کوئی خلافت نامہ ان کی تصدیق و توثیق کے بغیر مکمل نہ سمجھا جاتا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ انھوں نے مخدوم علاء الدین صابرؒ کی ولایت دہلی کی سند پھاڑ دی۔ جب بابا صاحب کی خدمت میں اس کی شکایت کی گئی تو انھوں نے کہا کہ جمال کا پھاڑا ہوا فرید نہیں سی سکتا۔ چنانچہ انھیں دہلی کی بجائے کلیر کا علاقہ مرحمت ہوا۔ شیخ ہانسویؒ شاعر تھے اور ان کا ضخیم فارسی دیوان چھپ گیا ہے۔ آپ کی وفات ۶۵۹ھ میں ہوئی۔

حضرت سلطان المشائخؒ حضرت خواجہ صابر کلیریؒ اور شیخ جمال ہانسویؒ کے علاوہ حضرت گنج شکر کے کئی اور قابل ذکر خلفا تھے۔ ایک حضرت امام الحقؒ سیالکوٹی تھے جنھیں بابا فرید نے تعلیم و تربیت اور عطائے خرقہ کے بعد سیالکوٹ بھیجا۔ آپ نے برسوں وہاں ارشاد و ہدایت کے فرائض انجام دیے اور ہزارہا لوگ آپ سے فیض یاب ہوئے۔ آپ کی وفات ۶۸۶ھ/۱۲۸۷ء میں ہوئی۔ مزار پر انوار سیالکوٹ کی سب سے بڑی زیارت گاہ ہے۔ دوسرے قابل ذکر خلیفہ شیخ منتخب الدین قدس سرہ تھے جو دکن میں شمع اسلام لے کر گئے۔ ان کا ذکر ہم دکن کے داعیان اسلام کے سلسلے میں کریں گے۔

حضرت بابا صاحب کے ملفوظات کے دو مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ ایک مجموعہ حضرت سلطان المشائخ سے منسوب کیا جاتا ہے۔ دوسرا خواجہ

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بدرالدین اسحٰق سے۔ پہلے کا نام راحت القلوب ہے اور دوسرے کا اسرارالاولیا۔ اگر ان دونوں مجموعوں کا حضرت خواجہ اجمیریؒ اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مبینہ ملفوظات[1] سے مقابلہ کریں تو ان سے بابا فرید کی علمی قابلیت اور وسیع مطالعہ کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت خواجہ اجمیری کے ملفوظات دلیل العارفین میں زیادہ تر نماز، روزہ، طہارت، درود وظیفہ کی باتیں ہیں، جو انھوں نے اپنے مرشد یا دوسرے بزرگوں سے سُنیں۔ لیکن بابا فرید کے ملفوظات میں جابجا کتابوں کے حوالے ہیں۔ بعض جگہ ایک ایک صفحے پر تین تین چار چار کتابوں کے نام آتے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ بابا صاحب کا مطالعہ بڑا وسیع تھا۔ اس کے علاوہ آپ کے جو ارشادات ہیں ان سے بھی پتا چلتا ہے کہ آپ کے دل میں علم کی کتنی قدر و منزلت تھی۔ راحت القلوب میں آپ کا ایک ارشاد درج ہے:۔

---

[1] ان ملفوظات کی صحت پر شبہ ظاہر کیا گیا ہے (مثلاً حضرت چراغ دہلی کے ملفوظات خیرالمجالس میں لکھا ہے "شیخ نظام الدین و خواجگان چشت قدس اللہ ارواحہم کتابے تصنیف نکردہ وایں ملفوظات در حیاتِ شیخ نبودے۔ اگر بودے خدمت شیخ ہم فرمودے) اور ان میں الحاقی عناصر شامل ہو جانا قرینِ قیاس ہے لیکن یہ ملفوظات ہیں بہت پرانے اور فوائد الفواد کے بعض اندراجات حضرت چراغ دہلی کے بیان کی تائید نہیں کرتے۔

ہم نے اولین چشتیہ مشائخ کے متعلق معلومات جمع کرنے میں فقط حضرت سلطان المشائخ کے مستند ملفوظات فوائد الفواد، سید محمد مبارک امیر خورد کی تالیف سیر الاولیا اور جمالی کی سیر العارفین پر اعتماد کیا ہے۔ خیر المجالس اور جوامع الکلم بھی شبہ سے بالا نظر آتے ہیں۔ ابتدائی دور کے باقی ملفوظات یعنی انیس الارواح، دلیل العارفین، فوائد السالکین، راحت القلوب، اسرار الاولیا کی حیثیت مشتبہ ہے اور غالباً وہ سب کے سب وضعی ہیں۔ لیکن یہ ملفوظات حضرت چراغ دہلی کے زمانے میں ہی رائج ہو گئے تھے۔ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور دوسرے بزرگوں نے ان سے کم و بیش استفادہ کیا ہے۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

علم فاضل تر از جملہ عبادتہاست نزدیک خدائے تعالٰی از نماز و روزہ و حج و جُز آں ۔

حضرت شیخ کبیر کبھی کبھار شعر بھی کہہ لیتے تھے ۔ فرشتہ نے ایک رباعی نقل کی ہے[۱] ۔

گیرم کہ بہ شب نماز بسیار کُنی | در روز دوائے شخص بسیار کُنی
تا دل نہ کُنی ز غصہ و کینہ خالی | صد خرمن گل بر سر یک خار کُنی

مخدوم علاء الدین صابرؒ

حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابر رح بابا صاحب کے حقیقی بھانجے تھے موضع کھوتوال میں ۱۹۵ھ میں پیدا ہوئے ۔ بابا صاحب نے بڑی محبت اور محنت سے تعلیم دی ۔ صابریہ سلسلہ ، جس میں ہزارہا انسان داخل ہیں ، آپ ہی سے شروع ہُوا ۔ آپ کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اکثر نیم مجذوبانہ اور استغراق کی حالت میں رہتے تھے ۔ قدیم اور مستند کتابوں میں آپ کا بہت کم ذکر ملتا ہے ۔ اخبار الاخیار میں شیخ عبدالحق محدث آپ کی نسبت لکھتے ہیں :

در سیر الاولیا مے نویسد " کہ درویشے بود ثابت قدم و صاحب نعمت ۔ مرید شیخ فرید الدین است و شیخ فرید الدین وقتے کہ باو اجازت بیعت مے کرد ، فرمود " صابر زندگانی خوش خواہی گزرانید " و ہمچناں بود ۔ تا زندہ بود بہ عیش خوش مے گزرانید و او مردے خوش باش و کشادہ رو بود و غالباً ایں شیخ صابر غیر شیخ علی صابر است کہ داماد شیخ فرید الدین و خلیفہ او بود و قبر او در قصبہ کلیر است ۔ و سلسلہ شیخ عبدالقدوس وغیرہ بوے منتہی مے شود ۔ و ذکر او در سیر الاولیا اصلاً نہ کردہ و ترک ذکر او خالی از غرابت نیست و تواند کہ او شیخ صابر ہمیں شیخ علی صابر

---

[۱] تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۳۸۴

marfat.com
"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

باشد واللہ اعلم" (ص ۶۹)

سیر الاولیا کا اندراج جس کی نسبت شیخ محدث نے اشارہ کیا ہے، حسب ذیل ہے (ترجمہ)

محمد مبارک علوی المدعو بہ امیر خورد (مصنف سیر الاولیا) عرض کرتا ہے کہ ایک درویش صاحب نعمت شیخ علی صابر نام درویشی میں ثابت قدم اور مستجاب الدعوات قصبہ ڈیکری کا رہنے والا شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین کا مرید تھا۔ جب رخصت ہوتے وقت اور یاروں نے وصیت کی درخواست کی تو ہر ایک کو خاص خاص وصیت فرمائی۔ جب شیخ علی صابر نے وصیت کی درخواست کی تو شیخ الشیوخ عالم نے فرمایا کہ جاؤ زندگانی خوشی سے بسر ہوگی چنانچہ آپ کی دعا سے اس بزرگ کی زندگی بڑے عیش سے گزری۔ یہ شخص نہایت خوش باش اور ہنس مکھ تھا" (ص ۱۶۵)

اخبار الاخیار میں لکھا گیا ہے کہ قدیمی تذکروں میں شیخ علی صابرؒ کا ذکر بہت تھوڑا ہے۔ اس کا جواب سیر الاقطاب کے مصنف نے دیا۔ جس نے عہد شاہجہانی میں اپنی کتاب لکھی اور مخدوم صابر اور ان کے خلفا کے حالات بڑی تفصیل سے دیے ہیں :-

"چوں در ملفوظات حضرت شیخ فرید الدین شکر گنج ذکر حضرت خواجہ علاء الحق والدین علی احمد صابر قدس اللہ تعالے .... کم واقعہ شدہ وحال ایشاں تمام و کمال ثبت نیست۔ سبب او اینکہ ملفوظات حضرت شکر گنج باتفاق شیخ جمال ہانسوی جمع گشتہ اند۔ وسوائے آں ہر کہ نوشتہ اور اخاطر داشت شیخ مذکور لازم وغبار خاطر آں حضرت و شیخ ہانسوی خود روشن است[1] بنا بر آں ذکر آں حضرت چنانکہ باید واقع نشدہ"

---

[1] ملاحظہ ہو آئندہ صفحات میں ذکر حضرت سلطان المشائخ و شیخ جمال ہانسویؒ

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بعد کے تذکرہ نگار بہت سے واقعات مخدوم صابرؒ سے منسوب کرتے ہیں۔ مثلاً آپ کے زورِ جلال سے بابا فرید کے لڑکوں کی وفات۔ آپ کی خفگی کی وجہ سے آپ کی زوجہ محترمہ کی وفات۔ شیخ جمال ہانسوی سے نزاع۔ شہر کلیر کی ویرانی وغیرہ۔ معتقدین تو ان واقعات کو آپ کے رُوحانی جلال اور فتوت کی دلیل سمجھتے ہیں۔ لیکن معترضین کئی اعتراض بھی کرتے ہیں۔ یہ واقعات کسی مستند قدیمی کتاب میں نہیں ملتے۔ آپ نے ۱۲۹۱ء میں وفات پائی۔ آپ کے بعد آپ کے سلسلے کو بڑا فروغ ہوا۔ مزار رُڑکی ضلع سہارن پور سے تیس کوس کے فاصلے پر کلیر شریف میں ہے۔ "یہاں ہر سال عُرس کے موقعہ پر سماع کی محفلیں، ذکر و فکر کے حلقے، حال و قال، وعظ و نصیحت کی مجلسیں اور ناچ رنگ۔ غرض سب کچھ ہوتا ہے۔"

سُلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوبِ الٰہیؒ

شیخ کبیر بابا فرید گنج شکرؒ نے چشتیہ سلسلے کو بڑی وسعت اور رونق دی۔ خطۂ ہند و پاکستان میں انھیں اس سلسلے کا مؤسس ثانی سمجھنا چاہیے۔ لیکن شاید اس سلسلے کے سب سے بااثر شیخ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا محبوبِ الٰہی تھے۔ ان کے متعلق مشہور ہے کہ جس زمانے میں وہ مُرشد کی خدمت میں پہنچے، اُنھیں دنوں شیخ کبیر نے ایک خواب دیکھا تھا کہ ہم نے جال لگایا ہے۔ اس میں زیادہ تر چڑیاں آئی ہیں، لیکن ایک شاہباز بھی آن پھنسا ہے۔ جب بابا صاحب کی اپنے مُرید سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے فرمایا ؎

اے آتشِ فراقت دلہا کباب کردہ
سیلابِ اشتیاقت جانہا خراب کردہ

حضرت خواجہ صاحب ۹ر اکتوبر ۱۲۳۸ء کو بمقام بدایوں پیدا ہوئے۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آبائی وطن بخارا تھا۔ آپ کے دادا اور نانا اپنے خاندانوں کے ساتھ چنگیزی فتنہ کے دوران میں بخارا سے لاہور آئے۔ یہیں آپ کے والد اور والدہ پیدا ہوئے۔ لاہور میں ایک عرصہ مقیم رہنے کے بعد یہ دونوں خاندان بدایوں چلے گئے۔ خواجہ صاحب کا نام سید محمدؒ تھا۔ آپ پانچ سال کے تھے کہ شفقتِ پدری سے محروم ہو گئے، لیکن آپ کی والدہ بی بی زلیخا بڑی سمجھ دار اور باہمت خاتون تھیں۔ غربت اور افلاس کے باوجود انھوں نے آپ کو پوری تعلیم دلوائی۔ ابتدائی تعلیم بدایوں میں ہوئی، جو شمالی ہند میں اسلامی سلطنت کے آغاز سے ہی علم و فضل اور مذہبی اور روحانی سرگرمیوں کا بڑا مرکز رہا ہے۔ اور جب یہ مرحلہ ختم ہوا تو بی بی صاحبہ اپنے جگر گوشے کو لے کر دہلی آئیں، جہاں تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ خواجہ شمس الدین خوارزمیؒ جو کچھ دنوں بعد سلطان غیاث الدین بلبن کے وزیر ہوئے خواجہ صاحب کے اُستاد تھے۔ ان سے آپ نے مقاماتِ حریری پڑھی۔ اور مولانا کمال الدین محدثؒ سے جو علمِ حدیث میں اُستادِ وقت تھے، کتاب مشارق الانوار[1] کی سند لی۔

حضرت بابا فرید سے تعلقِ قلبی آپ کو اس سے بہت پہلے ہو چکا تھا۔ آپ ابھی بارہ سال کے تھے اور بدایوں میں مولانا علاء الدین اصولی سے تحصیلِ علم کرتے تھے کہ ابوبکر قوال نے جو مغربی پنجاب کی سیاحت سے واپس آیا تھا،

---

[1] شیخ رضی الدین صنعانیؒ مشارق الانوار احادیث کا ایک ابتدائی مجموعہ ہے جس میں "صحیح بخاری" اور "صحیح مسلم" سے دو ہزار دو سو چھیالیس حدیثیں بحذف اسناد جمع کی گئی ہیں۔ یہ مجموعہ ایک عرصے تک ہندوستان اور دوسرے ممالک میں رائج رہا اور اسے ہندوستان کے ہی ایک عالم شیخ رضی الدین حسن صنعانی نے مرتب کیا۔ ہم ان کا ذکر خطۂ لاہور کے علما و مشائخ کے ضمن میں کر چکے ہیں۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وہاں کے بزرگوں کا ذکر کیا۔ پہلے اس نے شیخ بہاء الدین زکریاؒ کی تعریف کی اور کہا کہ ان کی عبادت و ریاضت حد سے باہر ہے۔ یہاں تک کہ ان کی کنیزیں کام کاج کی حالت میں بھی ذکر سے غافل نہیں ہوتیں اور اس طرف کی تمام ولائت کو انھوں نے اپنے فیض سے پُرنور کر رکھا ہے۔ اس کے بعد ابوبکر قوال نے بابا فریدؒ کا ذکر کیا اور کہا کہ وہ تو ایک ماہِ تمام ہیں جنھوں نے عالم کو اپنے نورِ معرفت سے پُرنور کر رکھا ہے۔ خدا کی دین ہے کہ شیخ بہاء الدین کی تعریف سُن کر تو خواجہ صاحب پر کوئی اثر نہ ہُوا، لیکن بابا فریدؒ کی نسبت دل میں ایک قدرتی محبت پیدا ہوئی۔ اور اس دن سے نماز کے بعد اور سونے سے پہلے آپ نے شیخ فرید کے نام کا وظیفہ پڑھنا شروع کیا۔ اس کے بعد آپ دہلی تشریف لائے تو اتفاق سے آپ کو مکان بھی حضرت بابا فریدؒ کے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل کے پڑوس میں ملا، جن کی صحبت میں یہ تعلقِ خاطر اور بھی گہرا ہوگیا۔

بالآخر آپ ۱۲۵۷ء میں اجودھن تشریف لے گئے اور اُسی روز بیعت سے شرف یاب ہوئے، لیکن خلافت اس سے چار سال بعد یعنی ۶۵۹ھ میں ملی۔ اجودھن کے آپ نے دس سفر کیے۔ سات مُرشد کی وفات کے بعد اور تین ان کی زندگی میں۔[1] مرشد سے سندِ خلافت حاصل کرنے کے بعد آپ ہانسی میں سند کی توثیق کے لیے قطب جمال ہانسوی کے پاس پہنچے، جن کے پاس شیخ کبیر کی سب سندیں پیش ہوتی تھیں۔[2] انھوں نے بڑی خوشی سے خلافت نامہ

---

[1] سیر الاولیا ص ۹۶

[2] صُوفیہ میں عام طور پر مشہور ہے کہ شیخ جمال ہانسوی نے بابا فرید کے دوسرے مشہور مُرید مخدوم علاء الدین صابر کی سند کسی بات پر ناخوش ہو کر پھاڑ دی تھی۔ سیر الاولیا میں غالباً اسی واقعہ کا ذکر ہے۔ "شیخ العالم نے کسی شخص (؟) کو خلافت نامہ عطا فرما کر حکم دیا کہ جب ہانسی جاؤ تو یہ خلافت نامہ ہمارے جمال کو دکھانا۔ جب اس نے ہانسی پہنچ کر آپ کو وہ خلافت نامہ دکھایا

(باقی اگلے صفحے پر)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کی توثیق کی اور زبانِ مبارک سے یہ شعر پڑھا ؎

خُدائے جہاں را ہزاراں سپاس
کہ گوہر سپُردہ بہ گوہر شناس[1]

سندِ خلافت حاصل کرنے کے بعد آپ دہلی تشریف لائے۔ اس وقت آپ کا مشغلہ درس و تدریس تھا اور اس سے بسر اوقات ہوتی تھی۔ لیکن تذکروں میں کئی واقعات درج ہیں، جن سے خیال ہوتا ہے کہ شروع میں گزارہ بڑی مشکل سے ہوتا تھا۔ اور کئی کئی روز فاقے سے گزرتے۔ مکان کے متعلق بھی اسی طرح کی بے اطمینانی تھی۔ جب آپ خلافت حاصل کر کے دہلی آئے تو پہلے دو سال امیر خسرو کے نانا کے مکان میں رہے۔ لیکن ایک شام کو جب امیر خسرو پیالی گئے ہوئے تھے، ان کے ماموں نے آپ کو فوراً مکان خالی کرنے کے لیے کہا۔ آپ نے مکان تلاش کرنے کے لیے آدمی بھیجا، لیکن کوئی ٹھکانا نہ ملا۔ ناچار آپ مکان سے نکل کر ایک مسجد میں چلے گئے۔ آپ کا سامان اس وقت کتابوں کے سوا کوئی نہ تھا۔ انھیں سیر الاولیا کے مصنف کے والد سید نور الدین کرمانی اور حضرت کے خادم بشر نے اپنے سر پر اُٹھایا۔ دوسرے روز سعد کاغذی کے مکان پر گئے۔ ایک مہینا کے بعد اسے بھی چھوڑا۔ کچھ عرصے کے بعد ایک شاہی امیر شمس شرب دار کا بیٹا حضرت کا مُرید ہُوا۔ اور آپ کئی سال تک اس کے مکان پر رہے[2]۔

(بقیہ صفحہ ۲۳۰)
تو آپ نے یہ کہہ کر کہ تو خلافت کے لائق نہیں۔ وہ خلافت نامہ پھاڑ ڈالا۔ در اصل اس شخص نے شیخ العالم سے منت و سماجت سے بلا رضا و رغبت شیخ العالم خلافت نامہ حاصل کیا تھا۔ جب وہ شخص ہانسی سے اجودھن آیا اور اس نے خلافت نامہ پھٹا ہُوا شیخ العالم کو دکھایا تو آپ نے فرمایا کہ جمال کے پھاڑے ہوئے کو ہم سی نہیں سکتے۔" (اُردو ترجمہ سیر الاولیا مطبوعہ لاہور ص ۱۵۹)

[1] سیر الاولیا اُردو ترجمہ ص ۱۰۴ [2] سیر الاولیا ص ۹۷

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد (غالباً ۱۲۷۱ھ کے قریب) آپ نے شہر کی رہائش ترک کر کے غیاث پور میں چھپروں کے مکان کرائے پر لیے، لیکن کچھ عرصہ بعد آپ کے ایک مُرید مولٰنا ضیاء الدین وکیل عماد الملک نے آپ کے لیے ایک عالیشان خانقاہ بنوادی جو اب تک موجود ہے۔ یہ خانقاہ ایک سہ منزلہ عمارت ہے، جس کی دیوار ہمایوں بادشاہ کے مقبرے کی فصیل سے ملی ہوئی ہے۔ نیچے وہ کوٹھڑیاں ہیں، جہاں حضرت کے خلفا عبادت کرتے تھے۔ اور صحن ہے، جہاں کھانا تقسیم ہوتا تھا۔ دوسری منزل میں حضرت کے بیٹھنے کی جگہ ہے، جہاں اکثر مجلس منعقد ہوتی تھی۔ تیسری منزل میں حضرت کی عبادت اور آرام کا حجرہ ہے۔

سیر العارفین میں لکھا ہے کہ جب ابتدا میں حضرت محبوب الٰہیؒ نے موضع غیاث پور میں سکونت اختیار کی تو آپ کی خانقاہ میں نہایت فقر و فاقہ اور تنگی کے ساتھ گزر ہوتی تھی۔ سب سے پہلے جن مُریدوں نے آپ کی خدمت میں درجاتِ عالی حاصل کیے، مولٰنا بُرہان الدین غریب اور مولٰنا کمال الدین یعقوب پٹنی تھے۔ وہ خانقاہ میں مشغولِ ریاضت تھے کہ ایک دفعہ چار روز گزر گئے اور کوئی چیز ایسی نہ آئی جس سے روزہ افطار کیا جاتا۔ اتفاق سے ایک ضعیفہ آدھ سیر آٹا لے آئی۔ وہ ہنڈیا میں اُبالا جا رہا تھا کہ ایک فقیر کمبل پوش آیا۔ جو کچھ موجود تھا، حضرت نے اس کے پاس رکھ دیا۔ اس درویش نے وہ کھا کر ہنڈیا زمین پر دے ماری اور کہا درویش نظام الدین! حضرت شیخ فرید الدین مسعود نے تم کو نعمتِ باطنی عنایت کی ہے، لیکن تمھارے فقرِ ظاہری کی دیگ کو مَیں نے توڑ دیا۔[1] اس کے بعد حضرت کی خدمت میں فتوحات اور نذرانہ

---

[1] ملاحظہ ہو سیر العارفین صر ۶۹۔ سیر الاولیا میں یہ واقعہ قدرے تفاوت سے درج ہے اور لکھا ہے کہ اس درویش نے حضرت سلطان المشائخ کی تنگی دیکھ کر آپ کے ایک رفیق کو بارہ جیتل دیے اور اس کے بعد فتوحات کا سلسلہ شروع ہُوا۔ (سیر الاولیا صر ۱۰۳)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شکرانہ کی اس قدر آمد شروع ہوئی کہ حد و حساب سے باہر تھی۔

خدا معلوم اس قصہ میں کس قدر صداقت ہے، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس زمانے میں حضرت کی ظاہری حالت میں زمین آسمان کا فرق آگیا۔ اور اب آپ کے دروازے پر عقیدت مندوں کا اس طرح ازدحام شروع ہوا کہ شاید ہی سلطنتِ دہلی میں کسی شیخ کے در پر ہوا ہو۔ ایک وجہ اس کی یہ تھی کہ غیاث پور کے قریب ہی کیلوکھری میں بلبن کے جانشین کیقباد نے قیام شروع کیا اور اس جگہ امرا و اراکینِ سلطنت کا ہجوم ہو گیا۔ فوادالفواد میں حضرت کا یہ بیان نقل ہوا ہے کہ جب کیقباد نے نیا شہر آباد کیا تو پھر لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ میرے پاس آنے شروع ہوئے اور امرا اور دوسرے لوگ اس کثرت سے آتے تھے کہ میں نے فیصلہ کیا کہ ترکِ سکونت کر کے شہر کے اندر چلا جاؤں گا۔ لیکن اسی دن ایک جوان میرے پاس آیا[1]۔ اور آتے ہی یہ شعر پڑھا ؎

آں روز کہ مہ شدی نمے دانستی
کانگشت نمائے عالمے خواہی شد!

اور کہا کہ اس میں تو کوئی خوبی نہیں کہ خلقت سے گوشہ نشینی اختیار کر کے یادِ الٰہی کی جائے۔ قوت اور حوصلہ اس قسم کا ہونا چاہیے کہ خلقت کے اندر رہ کر یادِ الٰہی جاری رہے۔

اس پر سلطان المشائخ نے اپنا ارادہ ترک کر دیا اور مریدوں اور عقیدتمندوں کا جو ازدحام تھا وہ جاری رہا۔ آپ کے ہاں ہر روز ہزاروں کی نذر نیاز آتی لیکن آپ اسے فوراً خرچ کر دیتے اور کوئی حاجت مند آپ کے دروازے سے مایوس نہ جاتا۔ سیرت نظامی (اردو) میں منقول ہے کہ "تین ہزار علما و فضلا علاوہ طالب علموں اور حافظوں کے اور دو سو قوال ہمیشہ آپ کی

---

[1] فوائد الفواد ص ۱۴۲

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سرکار سے پرورش پاتے تھے اور دیگر پروردگان آنجناب کا تو کچھ شمار نہیں آپ کو اپنی زندگی میں جو اقتدار اور دبدبہ حاصل ہُوا' وہ ہندوستان کے شاید ہی کسی اور اہلِ طریقت بزرگ کو نصیب ہُوا ہوگا۔ شہر کے عمائد و امرا اور عوام آپ کے مُرید تھے اور بڑے بڑے جلیل القدر بادشاہ آپ سے خم کھاتے تھے۔

شاہانِ عصر اور سلطان المشائخ

آپ کے ابتدائی ایّام عہدِ غلاماں میں بسر ہوئے' لیکن آپ کو زیادہ عروج خلجیوں کی بادشاہت میں ہُوا۔ خاندانِ خلجی کا سب سے بااقتدار بادشاہ علاءالدین خلجی علما و اہلِ شرع کی پروا نہ کرتا تھا' لیکن شاید وہ بھی درویشوں کی بددُعا کا قائل تھا۔ اس کی تخت نشینی سے ایک دو سال پہلے سیدی مولہ کے قتل کا واقعہ پیش آیا تھا' جس نے درویشوں کا اثر و اقتدار بہت بڑھا دیا تھا۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ جلال الدین خلجی نے بڑے حلم و تحمل کے باوجود اس درویش کی سازشوں سے ڈر کر اس کی موت کا سامان کروایا۔ لیکن جب اس کے قتل کے بعد آندھی اور گرد و غبار کا طوفان اُٹھا تو خود ہی اس کا قائل ہوگیا۔ اخبار الاخیار میں سیدی مولہ کی نسبت ہے:-

> "او را قلندرانِ شیخ ابوبکر طوسی در زمانِ سلطان جلال الدین خلجی کشتند و روزِ قتلِ او باد و غبارِ بے اندازہ شد۔ و عالم تاریک گشت۔ گویا کہ قیامت قائم شد و سلطان جلال الدین را بمشاہدہ ایں حال با وے اعتقادے کہ نبود پیدا شد" (ص ۷۳)

اور جب اس کے ایک دو سال بعد سلطان جلال الدین خود قتل ہُوا تو لوگ ضرور کہتے ہوں گے کہ اسے درویش آزاری کی سزا ملی ہے۔ چنانچہ عجب نہیں علاءالدین خلجی بھی اس خیال سے متاثر ہُوا ہو اور حضرت سلطان المشائخ کی خواہشات کا اس نے جو احترام کیا' اس میں اس خیال کو بھی کچھ دخل ہو!

سلطان علاءالدین خلجی نے دو ایک مرتبہ حضرت سے ملنے کی خواہش کی'

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لیکن آپ نے ٹال دیا۔ سیر الاولیا میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ بادشاہ نے بقصدِ امتحان چند سوال لکھ کر اپنے بڑے بیٹے خضر خاں کے ہاتھ حضرت شیخ کی خدمت میں بھیجے اور ان کے جواب مانگے۔ جب وہ کاغذ شیخ کو ملا تو انھوں نے اُسے کھولا بھی نہیں اور حاضرین سے کہا کہ درویشوں کو بادشاہوں سے کیا کام۔ مَیں درویش ہوں اور شہر کے ایک گوشے میں دُنیا سے الگ تھلگ بادشاہ اور مسلمانوں کے لیے دُعا کرتا رہتا ہوں۔ اگر بادشاہ اس وجہ سے مجھے کچھ کہے گا تو مَیں یہ شہر چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔

جب اس کی اطلاع بادشاہ کو ملی تو اس نے کہا کہ اگر اجازت ہو تو مَیں خود شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں۔ لیکن شیخ نے کہلا بھیجا کہ مَیں غائبانہ دُعا کرتا ہوں اور غائبانہ دُعا میں بڑا اثر ہے۔ جب اس کے بعد بھی سُلطان نے آنے پر اصرار کیا تو شیخ نے فرمایا کہ اس فقیر کے مکان کے دو دروازے ہیں۔ اگر بادشاہ ایک دروازے سے داخل ہوگا تو میں دوسرے دروازے سے نکل جاؤں گا۔[1]

ایک دفعہ علاء الدین نے مَلک کافور کو ورنگل کی فتح کے لیے بھیجا لیکن ایک مُدت تک اُدھر سے کوئی خبر نہ آئی اور سلطان کو بڑی تشویش ہوئی۔ اس نے مَلک قرا بیگ اور قاضی مغیث الدین کو سلطان المشائخ کی خدمت میں یہ کہہ کر بھیجا کہ لشکرِ اسلام کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں آئی۔ آپ کو اسلام کا غم مجھ سے زیادہ ہے۔ اگر آپ پر نُورِ باطن سے کوئی حقیقت روشن ہوئی ہو تو مجھے بھی اس سے مطلع کریں۔ سلطان المشائخ نے بادشاہ کا پیغام سُن کر کہا کہ یہ فتح کیا چیز ہے، ہم تو دوسری فتحوں کے بھی امیدوار ہیں۔ شاہی قاصدوں نے

---

[1] ملاحظہ ہو سیر الاولیا صر ۱۱۹ و ۱۲۰۔ تعجب ہے کہ اس کے باوجود اسی کتاب میں سلطان علاء الدین کی قساوتِ قلبی کی اس لیے شکایت کی گئی ہے کہ اس نے حضرت سلطان المشائخ سے ملنے کی کبھی خواہش نہ کی (صر ۵۴) اور برنی بھی یہی شکایت کرتا ہے۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یہ بشارت بادشاہ تک پہنچائی۔ جسے سُن کر وہ خوش ہوگیا اور اتفاق سے اُسی شام کو ملک کافور کے نمائندے ورنگل کا فتح نامہ لے کر آ گئے[1]۔

علاء الدین کا بڑا لڑکا اور ولی عہد خضر خاں سلطان المشائخ کا مُرید تھا۔ لیکن ملک کافور نے اسے اندھا کر کے نورِ دیدہ کے ساتھ تخت و تاج سے بھی محروم کیا۔ اور بالآخر ملک کافور کا خاتمہ کر کے قطب الدین مُبارک شاہ تخت نشین ہُوا۔ وہ شیخ زادہ جام کا جو حضرت سلطان المشائخ کے مخالف تھے، معتقد تھا۔ مشہور ہے کہ جب ملک کافور خاندان علائی کا خاتمہ کر رہا تھا تو قطب الدین کی والدہ نے شیخ زادہ کے پاس آدمی بھیج کر اپنی مصیبتیں بیان کیں۔ انھوں نے فرمایا: "غم مدار و منتظر لطیفۂ غیبی باش"۔ چنانچہ قطب الدین کامیاب اور ملک کافور ناکام ہُوا۔ بادشاہ کے شیخ زادہ جام سے فرطِ اعتقاد کے علاوہ سلطان المشائخ سے سوءِ ظن کی ایک اور وجہ یہ بھی ہوگئی کہ وہ قطب الدین کے حریف اور صحیح وارث تخت و تاج خضر خاں کے مُرشد و مُربّی تھے۔ چنانچہ قطب الدین نے آپ کا زور توڑنے کی بڑی کوشش کی۔ شیخ رکن الدین ابوالفتح سہروردیؒ کو مُلتان سے اس لیے بُلایا کہ شیخ کی بارگاہ کے بالمقابل ایک دوسری بارگاہ قائم ہو۔ لیکن ان دونوں بزرگوں کے تعلقات اتنے خوشگوار ہوگئے کہ بادشاہ کی یہ چال ناکام رہی۔ تاہم تخت و سجادہ کی چپقلش جاری رہی اور بالآخر قطب الدین نے آپ کے پاس شکایت بھیجی کہ چاند رات کو دہلی کے سب مشائخ مجھے سلام کرنے اور نئے چاند کی دُعا دینے دربار میں آتے ہیں، لیکن آپ فقط اپنے غلام خواجہ اقبال کو بھیج دیتے ہیں۔ حضرت نے اپنے نہ آنے کی توجیہ کر دی۔ لیکن بادشاہ نے حکم دیا کہ اگر شیخ نظام الدین آیندہ ماہِ نو کی تہنیت کو حاضر نہ ہوں تو بزور ان کو حاضر کیا جائے۔ سلطان المشائخ کے سارے مخلص اس کشمکش سے

---

[1] تاریخ فیروز شاہی (برنی) ص ۳۳۲

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مشوّش تھے، لیکن آپ نے کہہ دیا کہ میں نہیں جاؤں گا۔ چنانچہ جب چاند رات آن پہنچی تو آپ اطمینان سے خانقاہ میں مقیم رہے اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر نہ ہوئے۔

صبح کو خبر ملی کہ رات کو قطب الدین مبارک شاہ اپنے چاہیتے غلام خسرو خاں کے ہاتھوں قتل ہوا[1] اور خسرو ناصر الدین خسرو خاں کے نام سے تخت نشین ہوا۔

خسرو خاں حضرت شیخ کے اثر کا قائل تھا۔ چنانچہ جب غازی ملک کی فوج اسے شکست دینے کے لیے آئی تو اس نے پانچ لاکھ تنکے آپ کی خدمت میں حصولِ دعا کے لیے بھیجے، لیکن سلطان غیاث الدین تغلق نے خسرو کی بدعنوانیوں کا خاتمہ کر دیا اور ہندوستان میں اسلام کو نئی زندگی ملی۔ بدقسمتی سے سلطان اور شیخ میں کسی قدر کشیدگی پیدا ہو گئی —— ایک تو شاید بادشاہ کو اس امر کا ملال ہو گا کہ آپ نے خسرو کے پانچ لاکھ تنکے بیت المال کو کیوں نہ واپس کیے۔ دوسرے بعض لوگوں نے جو سماع کے خلاف تھے[2]، بادشاہ سے شکایت کی کہ

---

[1] سیر الاولیا صفحہ ۱۳۴۔ یہ تفصیلات سیر الاولیا میں ہیں۔ انھیں درج کر کے مؤلفِ کتاب نے سلطان قطب الدین کی دھمکی اور اس کے عبرت ناک انجام کی نسبت بطور تبصرہ سعدی کا شعر نقل کیا ہے ؎ اے صد و بمک جو دشمنی بجائے خویش   باشیر پنجہ کردی و دیدی سزائے خویش
لیکن بعد کے تذکرہ نگاروں نے یہ لکھنا شروع کر دیا کہ چاند رات کو خود حضرت سلطان المشائخ خانقاہ کی چھت پر ٹہلتے ہوئے یہ شعر پڑھ رہے تھے!

[2] سلطان المشائخ پر سماع کی وجہ سے اس سے پہلے بھی اعتراض ہوتا تھا مثلاً نصاب الاحتساب کے مصنف خواجہ ضیاء الدین سنامی کی نسبت اخبار الاخیار میں لکھا ہے "معاصر نظام الدین اولیا بود۔ دائم بہ شیخ از جہت سماع احتساب کردے۔ و شیخ باوے جز بہ معذرت و انقیاد پیش نیامدے" (صفحہ ۱۰۹)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شیخ نظام الدین مع جمیع مُریدوں کے سماع سُنتے ہیں۔ بادشاہ کو واجب ہے کہ علما کو طلب کر کے ایک محضر منعقد کرائے اور انھیں اس فعلِ نامشروع سے باز رکھے۔

چنانچہ غیاث الدین تغلق نے قلعہ تغلق آباد میں حضرت سلطان المشائخ اور سلطنت کے مشہور علما و شیوخ کو بُلایا اور سماع کے مسئلے پر بحث شروع ہوئی۔ کہتے ہیں، دو سو ترپن[۲۵۳] علما موجود تھے[۱]۔ قاضی جلال الدین ولوالجی اور شیخ زادہ جام سماع پر اعتراض کرنے والوں میں پیش پیش تھے۔ اور معلوم ہوتا ہے بحث میں بڑی گرمی پیدا ہو گئی۔ چنانچہ کئی بار ایسا ہُوا کہ حضرت سلطان المشائخ کے مخالفین نے زور شور سے اعتراض کیے تو بادشاہ نے کہا کہ اس قدر جوش و خروش نہ کرو۔ سُنو کہ شیخ کیا فرماتے ہیں۔ معترضین نے اپنے اعتراضات کی بنا امام ابُو حنیفہؒ کے ارشادات پر رکھی اور سُلطان المشائخ نے سماع کے جواز کے حق میں بعض روایاتِ نبوی سے مدد لینی چاہی[۲]۔ اس دوران میں بادشاہ نے شیخ بہاء الدین زکریا مُلتانیؒ کے نواسے شیخ علم الدین سے جو عالم بھی تھے

---

[۱] سیر العارفین ص ۸۹

[۲] یہ تفصیلات سیر الاولیا سے ماخوذ ہیں۔ فرشتہ جس نے کئی جُزئیات اس پر اضافہ کی ہیں۔ لکھتا ہے کہ سلطان المشائخ نے حدیث نبوی 'السماع مباح لاہلہ' کو اپنے نقطۂ نظر کی حمایت میں پیش کیا۔ اس پر الفرقان کے ولی اللہ نمبر میں مولانا مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں۔ "یہ حدیث نہیں بلکہ امام غزالی کا قول ہے، جو احیاء العلوم میں فتوے کے طور پر منقول ہے۔ غالباً فرشتہ نے اسے حدیث کہنے میں غلطی کی ہے۔ اور بہت ممکن ہے کہ حضرت مستدل کو غلط فہمی ہوئی ہو"۔ اس پر مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں: "خدا جانے بیجاپور میں بیٹھے بیٹھے ہندو شاہ کے بیٹے قاسم فرشتہ نے اپنی تاریخ میں کہاں سے یہ بات اڑائی کہ امام غزالی کا قول یجوز لاہلہ ولا یجوز لغیر اہلہ کو حدیث قرار دے کر سلطان جی نے پیش کیا۔ کیا تماشا ہے دو ہزار سے اوپر حدیثوں کے حافظ پر یہ الزام ہے"۔ سیر الاولیا میں یہ اندراج

[باقی اگلے صفحے پر]

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دیگر اسلامی ممالک کا سفر بھی کر چکے تھے، استفسار کیا۔ اُنھوں نے کہا کہ جو لوگ سماع دل سے سُنتے ہیں ان کے لیے مباح ہے اور جو از رُوے نفس سُنتے ہیں، ان کے لیے حرام ہے۔ اور یہ بھی کہا کہ بغداد، شام، روم میں مشائخ سماع سُنتے ہیں۔ بعض دف اور شبانہ سے بھی۔ اور انھیں کوئی منع نہیں کرتا۔

موجود نہیں۔ لیکن وہاں دو اور رسالوں کے حوالے دیے گئے ہیں، جن میں اس واقعہ کی تفصیلات درج ہیں۔ یعنی مولانا فخر الدین رازی کی کشف المفتاح من وجوہ السماع اور ضیاء الدین برنی کا حیرت نامہ۔ فرشتہ نے اپنی کتاب میں کئی تفصیلات سیر الاولیا سے زائد دی ہیں۔ اس کے علاوہ خود سیر الاولیا سے واضح ہوتا ہے کہ بحث میں سلطان المشائخ نے انحصار حدیثوں پر کیا ہے۔ اور مخالفین نے فقہی فتاوے پر زور دیا۔ (بقول سیر الاولیا) حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا: "اس بحث میں مجھے ایک بات نہایت عجیب معلوم ہوئی۔ وہ یہ کہ معترض بحث میں وہ صحیح احادیث نبوی صلے اللہ علیہ وسلم نہیں سُنتے اور یہی کہتے جاتے ہیں کہ ہمارے شہر میں فقہ کا رواج مقدم ہے..... جب کوئی صحیح حدیث بیان کی جاتی، وہ منع کرتے اور کہتے کہ اس حدیث کی آڑ شافعی نے لی ہے۔ اور وہ ہمارے علما کے دشمن ہیں۔ اس لیے ہم اس حدیث کو نہیں سُنتے۔" اب اگر فرشتہ کے بیان کو ٹھکرا دیں تو آخر وہ کون سی صحیح حدیث ہے جس سے سماع کا جواز ثابت ہوتا ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ حضرت سلطان المشائخ کے دوسرے کمالاتِ رُوحانی ہی نہیں علمی مرتبہ بھی بڑے احترام کے لائق ہے، لیکن پُرانے زمانے میں طباعت کی عدم موجودگی کی وجہ سے کتابوں کی کمی تھی (اور حضرت سلطان المشائخ تو اپنے علمی ذوق و شوق کے باوجود ایک زمانے میں کتابیں خریدنے کے خاص طور پر خلاف ہو گئے تھے (سیر الاولیا ص ۱۲۸) اس کے علاوہ گروہ تنقیدی نقطۂ نظر بھی عام نہ تھا۔ کسی ایک آدھ حوالے میں سہو ہو جانا خلافِ قیاس نہیں۔ سیر الاولیا میں تو حضرتِ سلطان المشائخ کا یہ بیان نقل ہوا ہے:۔ "وعجب امروز معائنہ شد کہ معترض جمعت احادیثِ صحیح حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے شنوند۔ ہمیں مے گویند کہ در شہر ما عمل بروایت فقہ مقدم است بر حدیث و ایں چنیں سخنے کسانے گویند کہ ایشاں را بر احادیث

[باقی اگلے صفحے پر]

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بادشاہ نے یہ سُنا تو خاموش ہو گیا۔ اس پر مولنا جلال الدین نے پھر کہا کہ بادشاہ کو لازم ہے کہ سماع کی حُرمت کا حکم دے اور اس بارے میں امام اعظم کے مذہب کو ملحوظ رکھے، لیکن سلطان المشائخ نے بادشاہ سے فرمایا کہ مَیں چاہتا ہوں کہ آپ اس بارے میں کوئی حکم نہ دیں۔

یہ بحث صبح دس بجے سے ظہر کے وقت تک جاری رہی۔ نتیجۂ بحث کی نسبت سیر الاولیا میں دو رائیں درج ہیں۔ ایک تو یہ کہ بادشاہ نے کوئی حکم نہ دیا۔ یعنی سلطان المشائخ کا مشورہ قبول کر لیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ بادشاہ نے حکم دیا کہ حضرت سلطان المشائخ سماع سُنیں اور انھیں کوئی منع نہ کرے، لیکن دوسرے فرقوں مثلاً قلندروں اور حیدریوں کو سماع سُننے سے منع کریں۔ کیونکہ وہ محض حظِ نفسانی کی خاطر سُنتے ہیں۔ سیر الاولیا کے مصنّف نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ مجلس سے فارغ ہو کر بادشاہ نے حضرت سلطان المشائخ کو بڑی تعظیم و تکریم سے رخصت کیا بلکہ محضر کے ۱۲ روز بعد ان کے مخالف قاضی جلال الدین کو عہدۂ قضا سے معزول کیا۔

اس روایت سے یہ خیال ہو سکتا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ آخر تک سماع کے قائل اور اس پر عامل رہے۔ لیکن اس امر کی مُستند معاصرانہ شہادت

بقیہ نوٹ از صفحہ ۲۳۹
رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم عبور نباشد۔"

لیکن سیر العارفین کے مطالعے سے خیال ہوتا ہے کہ معاملہ ذرا زیادہ پیچیدہ تھا اور بحث کی تہ میں اجتہادِ شخصی کا مسئلہ تھا۔ جس نے بعد میں اہلِ حدیث اور حنفیوں کے درمیان خاص اہمیت اختیار کر لی تھی۔ شیخ جمالی لکھتے ہیں:۔

حضرت شیخ تمسک بہ حدیثِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مے نمود۔ قاضی مذکور گفت: "تو مجتہد نیستی کہ تمسک بہ حدیث نمائی۔ مردی مقلد۔ روایتے از ابو حنیفہ بیار تا قول تو بمحرض قبول افتد۔" شیخ فرمود: "سبحان اللہ! کہ باوجود قولِ مصطفوی از من قولِ ابو حنیفہ مے خواہند۔"

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

موجود ہے کہ اخیر عمر میں سماع بالخصوص سماع بالمزامیر کی نسبت حضرت سلطان المشائخ کا نقطۂ نظر شرع سے بہت قریب ہوگیا تھا۔ آپ کے ملفوظات کا سب سے مکمل مجموعہ فوائد الفواد ہے۔ جسے امیر حسن سنجری نے ترتیب دیا اور جسے تمام نظامی حضرات آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ اس میں بالتفصیل لکھا ہے :۔ (ترجمہ)

"پھر سماع کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی تو حاضرین میں سے ایک نے کہا کہ شاید آپ کو حکم ہوا ہے کہ جس وقت آپ چاہیں سماع سُنیں۔ آپ پر حلال ہے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ جو چیز حرام ہے وہ کسی کے حکم سے حلال نہیں ہوسکتی اور جو چیز حلال ہے وہ کسی کے حکم سے حرام نہیں ہوسکتی۔ اب ہم مسئلہ مختلف فیہ کو لیتے ہیں۔ سو سماع ہی کو لو۔ یہ امام شافعی رحمت اللہ علیہ کے حکم کے موافق برخلاف ہمارے علما کے مباح بمعہ دف و سارنگی ہے اس اختلاف میں حاکم جو حکم کرے وہی ہوگا۔ حاضرین میں سے ایک نے کہا انھیں دنوں میں بعض درویشوں نے چنگ و رباب اور بانسریوں کا استعمال مجمع میں کیا اور رقص کیا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ انھوں نے اچھا نہ کیا جو نامشروع ہے، وہ ناپسندیدہ ہے۔ بعدازاں ایک نے کہا کہ جب وہ اس مقام سے باہر نکلے تو ان سے پوچھا گیا کہ اس مجلس میں تو بانسریاں بجائی گئیں۔ تو جواب دیا کہ ہم سماع میں ایسے مستغرق تھے کہ ہمیں معلوم نہ ہوا کہ یہاں بانسریاں ہیں بھی یا نہیں۔ جب خواجہ صاحب نے یہ سنا تو فرمایا کہ یہ تو کوئی معقول جواب نہیں۔" (ص ۱۰۱)

سلطان المشائخ کے ضمن میں یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ انھوں نے اپنی جانشینی اس بزرگ کو تفویض کی جو علانیہ سماع بالمزامیر کا منکر تھا۔

سلطان غیاث الدین تغلق کی وفات فروری یا مارچ ۱۳۲۵ء میں ہوئی اور اس کے چند ہی روز بعد یعنی اپریل کی تیسری کو سلطان المشائخ بھی انتقال فرما گئے۔ ان کی طویل علالت کے دوران میں شیخ رکن الدین ملتانی موجود تھے۔ انھی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مزار دہلی میں مرجع خاص و عام ہے۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سُلطان المشائخ کا مرتبہ

ہندوستان کے مشائخ میں حضرت سلطان المشائخ کا ایک خاص مرتبہ ہے۔ انھیں داتا گنج بخش یا حضرت خواجہ اجمیری کی طرح شرفِ اولیت حاصل نہیں۔ نہ ہی ان کی زندگی تبلیغی کوششوں کے لیے اس طرح ممتاز ہے، جس طرح ان کے مُرشد بابا فرید یا دوسرے پیرانِ عظام مثلاً امیر کبیر ہمدانی، شیخ بہاء الدین زکریا یا حضرت نُور قطب العالم بنگالی کی۔ لیکن اس کے باوجود جو اثر و اقتدار انھیں حاصل ہُوا، بہت کم بزرگوں کو نصیب ہُوا ہوگا۔ بقول امیر خسرو ؎

در حجرۂ فقر بادشاہے — در عالمِ دل جہاں پناہے
شہنشہ بے سریر و بے تاج — شاہانش بخاکپائے محتاج

جب سلطان المشائخ نے ظہور کیا، اس وقت تصوّف کا ابتدائی زاہدانہ دَور ایک مدت ہوئی ختم ہو چکا تھا۔ اب یہ طریقِ زندگی فقط وہی لوگ اختیار نہ کرتے تھے، جو سخت سے سخت ریاضتیں اور مشقتیں سہتے اور دُنیائے دُوں سے فقط قوتِ لایموت لے کر دَورِ آخرت میں اپنے حصّے کے مُنتظر رہتے۔ اب تصوّف اور درویشی کی نئی ترجمانی ہو چکی تھی اور شیخ محی الدین ابنِ عربی اور ان کے ہم خیال کہہ رہے تھے کہ دُنیا کے ظاہری نظام کے ساتھ ساتھ ایک باطنی نظام بھی ہے، جو قطبوں، ابدالوں، اوتادوں کے سر پر قائم ہے۔ شیخ ابنِ عربی نے فتوحاتِ مکیہ میں کئی جگہ اس نظریے کی توضیح کی ہے۔ اور فرشتہ ناقل ہے کہ ابنِ عربی کی تصانیف حضرت سلطان المشائخ کے زیرِ مطالعہ تھیں۔ (پیوستہ دل انوار منزل بہ کتب معتبرہ تصوّف مثل فصوص الحکم و مواقع النجوم و شروح آنہا مشغول مے داشت[1]) انھوں نے دو ایک جگہ مقاماتِ اولیا کے متعلق جو ارشادات کیے ہیں ان سے خیال ہوتا ہے کہ وہ بھی ابنِ عربی کے نظریے سے متاثر تھے۔ بلکہ اُنھوں نے کہا: "جب

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۳۹۱

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دلی مقامِ قطبیت اور غوثیت و فردیت کو طے کر کے مرتبۂ محبوبیت کو پہنچتا ہے تو اس کی ذات مظہرِ الٰہی ہو جاتی ہے اور اس کا ارادہ بھی ارادۃ اللہ ہوتا ہے[1]۔"

جب بابا فرید نے انھیں خلعت خلافت سے سرفراز کیا تو انھیں "نظام الدین والدنیا" کہہ کر خطاب کیا تھا اور شاید یہ مُرشد کے ارشاد اور ابنِ عربی کی تعلیمات کا اثر تھا کہ سلطان المشائخ نے زندگی ایک تارک الدنیا درویش کی طرح نہیں گزاری بلکہ شاہانِ وقت کے بالمقابل[2] بھی اپنی پوزیشن اس طرح برقرار رکھی جس طرح ابنِ عربی کی اسکیم کے تحت قطبوں اور ابدالوں کی تھی ؎

غوثِ عالم، نظامِ ملت و دیں
قطبِ ہفت آسمان و ہفت زمیں

انیس العاشقین میں سلطان المشائخ کی اپنی ایک رباعی نقل کی گئی ہے۔ جس سے ان کے مافیہا کا کچھ اندازہ ہوتا ہے ؎

---

[1] ملاحظہ ہو سیرت نظامی صر ۱۴۲-۱۴۳ اس کے علاوہ حضرت سلطان المشائخ کی مجلس میں قطب، اوتاد، ابدال اور اولیا کی بحث کے لیے ملاحظہ ہو فوائد الفواد صر ۲۵۳

[2] اس کے علاوہ حضرت اپنے مریدوں کو بھی کبھی کبھی جس طرح شانِ جلالی دکھاتے تھے، اس کے لیے شیخ برہان الدین غریب کا واقعہ ملاحظہ ہو (اخبار الاخیار صر ۹۴) لیکن آپ دوسروں سے خواہ مخواہ مخالف ہی کیوں نہ ہوں، جس بلند حوصلگی اور وسعتِ قلبی کے ساتھ سلوک کرتے اس کا اندازہ شیخ رکن الدین ابوالفتح (اخبار الاخیار صر ۶۵) اور اس سے بھی زیادہ خواجہ ضیاء الدین سنامی (اخبار الاخیار صر ۱۰۹) سے آپ کے حسنِ سلوک سے ہو سکتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ اپنے نظام اور اپنی پوزیشن کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتے تھے لیکن اہلِ علم اور مخلص مخالفوں کی آپ عزت کرتے تھے۔ اور جو طویل اقتباسات ہم نے سماع کے متعلق فوائد الفواد اور افضل الفواد سے دیے ہیں۔ ان سے ظاہر ہو گیا کہ اس معاملے میں بھی آپ کا وہ نقطۂ نظر نہ تھا جو سماع کے بعض شائق آپ سے منسوب کرتے ہیں۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

در ملکِ قناعت بجہاں سلطانیم — یکخسرو بے حاجب و بے دربانیم
از لذتِ فاقہ ذوقہا مے گیریم — از دولتِ فقر ملکہا مے رانیم

حضرت سلطان المشائخ نے تو اس امر کا کبھی دعوےٰ نہیں کیا لیکن عام طور پر انھیں اپنے زمانے کا قطب سمجھا جاتا تھا۔ اور یہ خیال تھا کہ ان کے علاقے کا نظام ان کے سر پر قائم تھا۔ فتوح السلاطین میں عصامی نے (عہدِ محمد تغلق میں) دہلی کی بربادی کے تین اسباب لکھے ہیں۔ ان میں سے ایک سبب حضرت خواجہ سلطان المشائخ کے سایۂ عاطفت اور ان کے فیضِ بلانوشی" سے محروم ہوجانا ہے

بہ ہر ملک گرچہ امیرے بود — ولے در پناہِ فقیرے بود
امیراں بہ کشور اگر سر برند — فقیراں بلانوش کشور بوند
گر اوتاد نبود بہ روئے زمیں — نماند بہ پا خیمۂ ہفتمیں
چو خواہد خدا دادنِ سیل دہلی — کہ از مرز و بوم برآرد دمار
بفرمانِ ایزد ازاں مرز و بوم — نختیں برآرند مرداں قدوم
وزاں پس یکے ظالمے را خدا — کند اندراں ملک فرمانروا
شنیدم ز پیران اخترِ سعید — کہ چوں وقت ابطال دہلی رسید
نظام الحق آں پیرِ ثابت قدم — ملاذِ ملوک و پناہِ امم
محمد کہ شد خاتمِ اولیا — چو ختمِ ہمہ انبیا مصطفا
زخاکِ درش خسرواں تاجدار — سرِ حاسدانش شدہ تاج دار
سلاطیں بر ایوانِ او بارخواہ — بر ایوانِ او سودہ خاناں جباہ
بہ درگاہ آں شاہِ ملکِ سلوک — بہ چوبک زنی نشستہ راضی ملوک
چہ گوید کسے وصفِ آں آستاں — چہ داند زمیں درجۂ آسماں
نداند کسے قدرِ او جز خدا — بود آگہ از رہرواں راہنما
خدا را یکے بود از دوستاں — مقرر بدو ملکِ ہندوستاں

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نخستیں ہماں مردِ فرزانہ فر — قدم زد ز دہلی بہ ملکِ دگر
وزاں پس نشد آں شہر و کشور خراب — دراں ملک شد فتنہ را کامیاب

ابنِ عربی اور سلطان المشائخ نے اپنے خیالات کی تائید میں جو احادیث پیش کی ہیں، ان کی صحت مشتبہ ہے۔ اور جو دلائل اس باطنی نظام کے حق میں ہیں، وہ بھی معقولیت سے بالا ہیں۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اپنی علمی قابلیت، خداداد سمجھ، وجیہ شخصیت اور مذاقِ سلیم کی بنا پر اگر سلطان المشائخ روحانی دائرے سے نکل کر کسی اور سمت قدم بڑھاتے تب بھی وہ میرِ کارواں ہی ہوتے۔ انھوں نے علم و فن کی تکمیل دار الخلافے کے بہترین علما سے کی تھی۔ اور اگر درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے تو امیر خسرو اور امیر حسن سجزی جو شروع میں ان کے مرید نہیں شاگرد تھے، ان کی معلمانہ قابلیت کے آئینہ دار ہیں۔ آپ کی شروع میں یہ خواہش تھی کہ "کہیں کا قاضی ہو جاؤں" (سیر الاولیا ص ۱۵۰) اور علوم شرعی و فقہی کو آپ نے بڑی محنت اور تن دہی سے حاصل کیا۔ اپنے ہم درسوں میں سب سے تیز طبع اور دانشمند مشہور تھے۔ اور بحث مباحثوں میں اتنا حصہ لیتے تھے کہ اس زمانے میں آپ کو "مولانا نظام الدین بحاث اور محفل شکن" کا خطاب ملا ہوا تھا (سیر الاولیا ص ۹۰) اس کے علاوہ ان کی روزمرہ کی گفتگو فوائد الفواد اور افضل الفواد میں محفوظ ہے جس سے ان کی وسعتِ علمی، وسیع واقفیت[1] اور مذاقِ سلیم کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کے زمانے میں واقعات کی صحت پرکھنے کی وہ سہولتیں جو آج میسر ہیں نہ

---

[1] سلطان المشائخ کی معلومات اور گوناگوں دلچسپیوں کے لیے سیر الاولیا کا بغور مطالعہ کرنا چاہیے۔ حضرت کے خواہر زادہ خواجہ رفیع الدین کے ضمن میں (جو حضرت کی خانقاہ و روضہ کے متولی ہوئے تھے) لکھا ہے: "آپ کو تیر و کمان، سیاحت اور کشتی کا بہت شوق تھا۔ سلطان المشائخ از روئے شفقت اسی بارے میں آپ کو ترغیب دیا کرتے اور ان ہنروں کی بابت جو کہ شرعاً جائز ہیں، پوچھا کرتے۔ بلکہ ان کی باریکیاں خود سمجھایا کرتے۔" (ص ۱۸۰)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تھیں مگر فوائد الفواد اُٹھا کر دیکھیں بلا مُبالغہ سیرت، حدیث اور تاریخ کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہے۔

ان کے زمانے میں دہلی علما و فضلا و شعرا و ادبا سے بھری پڑی تھی۔ لیکن کتنے اہلِ نظر تھے جو اس در کے حلقہ بگوش نہ تھے ؎

کو دیدہ کز فراقِ رُخ تو در آب نیست
کو دل کہ در کشاکشِ عشقت خراب نیست

یہ صحیح ہے کہ اشاعتِ اسلام کے معاملے میں سلطان المشائخ اپنے مُرشد سے بہت پیچھے ہیں۔ تواریخ میں ان کے ہاتھ پر فقط ایک آدمی[1] کے مسلمان ہونے کا سراغ ملتا ہے، لیکن وہ اشاعتِ مذہب سے غافل نہ تھے۔ فوائد الفواد میں دو ایک جگہ ہندوؤں کے اسلام سے دُور رہنے کا ذکر ہے۔ اور ایک دفعہ تو خواجہ صاحب نے آنکھوں میں آنسو لا کر اس امر کا افسوس کیا کہ ہندوؤں پر کسی کے کہنے کا اثر نہیں ہوتا۔ امیر حسن لکھتے ہیں: (ترجمہ)

"ایک غلام مُرید آیا اور ایک ہندوی کو ہمراہ لایا کہ یہ میرا بھائی ہے۔ جب دونوں بیٹھ گئے تو خواجہ صاحب نے اس غلام سے پُوچھا کہ آیا تیرا بھائی مسلمانی سے کچھ رغبت رکھتا ہے۔ عرض کی میں اس مطلب کے لیے اسے یہاں لایا ہوں کہ جناب کی نظرِ التفات سے وہ مسلمان ہو جائے۔ خواجہ صاحب نے آبدیدہ ہو کر فرمایا، اس قوم پر کسی کے کہنے کا اثر نہیں ہوتا۔ ہاں اگر کسی صالح مرد کی صحبت میں آیا جایا کریں تو شاید اس کی برکت سے مسلمان ہو جائیں" (فوائد الفواد ص ۱۸۲)

---

[1] تلنگانہ کا ایک ہندو تھا، جس کا ہندوانی نام کنو تھا۔ خواجہ جہاں ملک احمد ایاز کے ہمراہ سلطان المشائخ کی مجلس میں آنے جانے لگا۔ ان کے ہاتھ پر مسلمان ہُوا۔ اور بالآخر خان جہاں کے نام سے سلطان فیروز تغلق کا وزیر اعظم بنا۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فوائد الفواد کے اندراجات سے خیال ہوتا ہے کہ کئی ہندو اسلام کی حقانیت کے قائل تھے، لیکن بعض موانع (مثلاً برادری کی مخالفت) کی وجہ سے اسلام قبول نہیں کرتے تھے۔ امیر حسن لکھتے ہیں: (ترجمہ)

"حاضرین میں سے ایک نے پوچھا کہ جو ہندو کلمہ پڑھے اور اللہ تعالیٰ کو ایک جانے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بھی قائل ہو، لیکن جب مسلمان آئیں تو چپ ہو جائے اس کا انجام کیسے ہو۔ خواجہ صاحب نے فرمایا اس کا معاملہ حق سے ہے خواہ اسے بخشے خواہ عذاب دے۔

پھر فرمایا کہ بعض ہندوؤں کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ اسلام سچا ہے، لیکن پھر بھی مسلمان نہیں ہوتے۔" (فوائد الفواد ص ۱۳۵)

سلطان المشائخ کے ملفوظات کا مستند مجموعہ فوائد الفواد ہے، جسے ان کے مرید اور مشہور فارسی شاعر حسن سنجری نے ترتیب دیا۔ ہم نے اس سے جا بجا، نہ صرف سلطان المشائخ بلکہ دوسرے بزرگانِ دین اور اہلِ علم کے حالات کے لیے استفادہ کیا ہے۔ آپ کے ملفوظات کا ایک اور مجموعہ افضل الفوائد ہے، جسے امیر خسرو سے منسوب کیا جاتا ہے، لیکن جو وضعی معلوم ہوتا ہے۔ اخبار الاخیار میں ایک اور مجموعۂ ملفوظات (مسمی بہ تحفۃ الابرار و کرامت الاخیار) کا ذکر ملتا ہے، جسے شیخ کبیر بابا فریدؒ کے نواسے خواجہ عزیز الدین صوفی نے ترتیب دیا، لیکن یہ مجموعہ ہماری نظر سے نہیں گزرا[1]۔ اگر فوائد الفواد اور سلطان المشائخ کے مرشد شیخ کبیرؒ کے مبینہ ملفوظات بغور پڑھیں تو ان میں ایک لطیف فرق نظر آتا ہے۔ خواجہ صاحب اصلاحِ خیالات کے لیے مردِ صالح کی صحبت کو بڑی اہمیت دیتے تھے اور بابا صاحب نے اشاعتِ مذہب اور تبدیلِ عقائد کی جو مثالیں

---

[1] فوائد الفواد کے بعد حضرات چشت کے حال میں بہترین تالیف سیر الاولیاء ہے، جسے سلطان المشائخ کے عقیدت مند اور حضرت چراغ دہلی کے مرید امیر خورد نے ۷۱۸ھ میں ترتیب دیا۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یادگار چھوڑی ہیں۔ ان میں اظہارِ کرامت کو بڑا دخل ہے۔ شاید اس اختلاف کی وجہ ان بزرگوں کے ماحول کا اختلاف ہے۔ حضرت بابا صاحب کو جن لوگوں سے واسطہ پڑتا تھا وہ سادہ اور ضعیف الاعتقاد تھے۔ ان پر کرامات کا بڑا اثر ہوتا تھا۔ چنانچہ بابا صاحب اپنے تصرفات کی بنا پر ان میں شاندار نتائج پیدا کر سکے۔ لیکن جو لوگ دار الخلافے میں رہتے تھے' وہ اس قدر سادہ نہ تھے۔ ان کے اعتقادات بدلنا اس قدر آسان نہ تھا۔ اس لیے ایک عرصے کا اختلاط درکار تھا۔

حضرت خواجہ صاحب جو طویل صحبتِ صالح کی ضرورت سمجھتے تھے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کی نظروں میں مسلمان ہونے کے لیے ایک بڑا بلند معیار برقرار رکھنا ضروری تھا ؎

یہ شہادتگہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

حضرت خواجہ صاحب نے اِس مقصد کی توضیح کے لیے کئی مرتبہ بایزید اور یہودی کی حکایت اپنے سامعین سے بیان کی اور افسوس کیا کہ عام مسلمان دوسری قوموں سے بھی گئے گزرے ہیں۔ افضل الفوائد میں ہے (ترجمہ)

"پھر اسلام کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ زبان مبارک سے فرمایا کہ اے درویش! اسلام کا نام لے لینا سہل ہے' لیکن اس کے فرائض کا انجام دینا مشکل ہے۔ پھر فرمایا کہ خواجہ بایزید بسطامیؒ نے ستر سال تک نفس کو مجاہدہ سے مارا.... لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ چونکہ میں مسلمان کہلاتا ہوں' اس لیے مجھے مسلمانی کا حق بھی ادا کرنا چاہیے۔ پھر فرمایا کہ ایک مرتبہ یہودی سے پوچھا گیا کہ تجھے خواجہ بایزید سے اتنی اُلفت ہے تو مسلمان کیوں نہیں ہو جاتا۔ اس نے کہا اگر اس بات کا نام مسلمانی ہے جو تم کرتے ہو تو ایسی مسلمانی سے مجھے شرم آتی ہے۔ اور اگر مسلمانی وہ ہے جو خواجہ صاحب کرتے ہیں تو

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وہ مجھ سے نہیں ہو سکتی "۔

افضل الفوائد کے اندراجات پر شبہ کیا جاتا ہے۔ لیکن بالکل یہی واقعہ فوائد الفواد میں بیان ہوا ہے :۔

آنگاہ ہم از نسبت صدق و دیانتداری اسلامیاں حکایت فرمود کہ جہودے بود کہ در جوارِ خانۂ بایزید بسطامی قدس اللہ سرہ العزیز خانہ داشت۔ چوں بایزید نقل کرد۔ آں جہود را گفتند کہ تو چرا مسلمان نمے شوی۔ گفت چہ مسلمان شوم۔ اگر اسلام آنست کہ بایزید داشت از من نمے آید۔ و اگر این است کہ شما دارید۔ مرا ازیں اسلام عار مے آید! (فوائد الفواد ص ۱۸۳-۱۸۴)

اگر سلطان المشائخ غیر مسلموں میں اِس طرح اشاعتِ اسلام نہیں کر سکے جس طرح ان کے مُرشد نے کی (جو غالباً دار الخلافے میں ہو ہی نہ سکتی تھی) تو یہ کیا کم ہے کہ انھوں نے خود مسلمانوں کی اصلاحِ خیالات اور تہذیبِ نفس کی وسیع پیمانے پر کوشش کی۔ اور اس کے علاوہ ایک ایسا نظام قائم کر دیا، جس کے ماتحت اشاعتِ اسلام کا کام مُلک کے مختلف حصّوں میں سرانجام پاتا رہا۔ گجرات، دکن اور بنگال میں جو بزرگ اسلام لے کر گئے، ان میں مولٰنا حسام الدین ملتانیؒ اور مولٰنا کمال الدینؒ، شیخ بُرہان الدین غریبؒ اور مولٰنا سراج الدین عثمانؒ خاص طور پر ممتاز ہیں۔ یہ سارے بزرگ حضرت سلطان المشائخ کے خلفاے کبار میں سے تھے۔ سلطان المشائخ کا یہ کام کم اہم نہیں کہ اُنھوں نے ایسے بزرگوں کی تربیت کی جو مُلک کے مختلف حصّوں میں خود ارشاد و ہدایت کا مرکز بن سکتے تھے۔ امیر خسروؔ ان کی بابت لکھتے ہیں ؎

واں مریدانِ رہروانِ یقیں — ہر یکے والیٔ ولایتِ دیں
ہمہ شیطان کُش فرشتہ خدم — در رہش بر ہوا نہادہ قدم
زندہ دارِ شب از دمِ تسبیح — غلغل افگندہ در رواقِ مسیح
ہر سوار آستینِ شرع ساختہ تاج — دلِ شاں عرش و سجدہ شاں معراج

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ضیاء الدین برنی حضرت کے نیک اثرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ (ترجمہ)
شیخ کے مبارک وجود، ان کے انفاس پاک کی برکت اور ان کی مقبول دعاؤں کی وجہ سے اس ملک کے اکثر مسلمان عبادت، تصوف اور زہد کی طرف مائل اور شیخ کی ارادت کی طرف راغب ہو گئے تھے۔ سلطان علاء الدین اپنے تمام گھر والوں کے ساتھ شیخ کا معتقد اور مخلص ہو گیا تھا۔ خواص و عوام کے دل نے نیکی اختیار کر لی تھی۔

عہدِ علائی کے آخری چند سالوں میں شراب و شاہد، فسق و فجور، قمار بازی، فحاشی، لواطت اور بچہ بازی کا نام بھی آدمیوں کی زبان پر نہیں آنے پایا۔ اب کبیرہ گناہ لوگوں کو کفر کے مشابہ معلوم ہونے لگے۔ مسلمان ایک دوسرے کی شرم سے سود خواری و ذخیرہ اندوزی کے کھلم کھلا مرتکب نہ ہو سکتے تھے۔ اور خوف کے مارے دکان داروں سے جھوٹ، کم تولنے اور آمیزش کا رواج اٹھ گیا تھا۔ اکثر طالب علموں اور بڑے بڑے لوگوں کی رغبت جو شیخ کی خدمت میں رہتے تھے، تصوف اور احکام طریقت کی کتابوں کے مطالعہ کی طرف ہو گئی تھی۔ قوۃ القلوب، احیاء العلوم، ترجمہ احیاء العلوم، عوارف، کشف المحجوب، شرح تصوف، رسالہ قشیری، مرصاد العباد، مکتوبات عین القضاۃ، لوائح و لوامع قاضی حمید الدین ناگوری، فوائد الفواد امیر حسن سنجری کے بہت سے خریدار پیدا ہو گئے تھے۔ زیادہ تر لوگ کتب فروشوں سے سلوک و حقائق کی کتابوں کے بارے میں دریافت کرتے۔ کوئی پگڑی ایسی نہ تھی جس میں مسواک اور کنگھی نہ لٹکی ہو اور اہلِ تصوف کی کثرت خرید کے باعث چمڑے کے طشت اور لوٹے مہنگے ہو گئے تھے (ص ۱۲۵-۱۲۶)

بوعلی قلندرؒ

نظامیہ سلسلہ جو صابریہ طریق کی طرح چشتیہ سلسلے کی ایک شاخ ہے، حضرت سلطان المشائخ سے شروع ہوا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ شیخ شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی کو بھی سلطان المشائخ سے بیعت تھی۔ لیکن شیخ عبدالحق محدث اس روایت کے قائل نہیں۔ قلندر صاحب جو ایک

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

روایت کے مطابق قطب جمال ہانسویؒ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ سلطان المشائخ کے ہمعصر تھے۔ آپ پانی پت میں پیدا ہوئے۔ علومِ ظاہری کی تکمیل کے بعد ایک فقیر کے اثر سے درس و تدریس چھوڑ کر جنگل میں نکل گئے اور قلندروں کے آزادانہ طریقے اختیار کر لیے۔ آپ کی زندگی کے کئی واقعات ہیں جنھیں اگر شرع، وضع داری یا اخلاقیات کے ترازو میں تولیں تو ان پر کئی اعتراض ہو سکتے ہیں۔ لیکن دُنیا آپ کو ایک قلندر کے طور پر جانتی ہے اور ظاہر ہے کہ جو شخص دُنیا چھوڑ دیتا ہے، اُسے دنیاداروں کے معیار سے نہیں جانچا جا سکتا۔ آپ کی بیشتر عمر استغراق اور جذب کی حالت میں گزری اور جب رمضان المبارک ۷۲۴ھ میں وفات پائی تو آپ کے پاس کوئی نہ تھا۔ تین روز تک کسی کو پتا نہ چلا کہ آپ رحلت کر گئے ہیں۔ تیسرے روز چند لکڑہارے آئے جنھوں نے نعشِ مُبارک دیکھی اور کفن دفن کی تیاریاں کیں۔ مزار پانی پت میں ہے۔

آرنلڈ نے لکھا ہے کہ پانی پت کے علاقے میں جو مسلمان راجپوت ہیں، وہ حضرت بُوعلی قلندر ہی کی بدولت مشرف باسلام ہوئے اور ان کا مورثِ اعلیٰ امیر سنگھ آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہُوا۔

حضرت بوعلیؒ کمالِ جذب کے ساتھ ساتھ صاحبِ تصنیف بھی تھے آپ کی دو تین فارسی مثنویاں اور دیوان چھپ چکا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے آپ کے مکتوبات کا بھی ذکر کیا ہے اور جو مکتوب اخبار الاخیار میں نقل ہُوا ہے، اس کی زبان بڑی شُستہ اور خیالات لطیف و پاکیزہ ہیں۔ لیکن اس زمانے میں بھی دوسری تصانیف آپ سے منسُوب ہونے لگی تھیں۔ شیخ عبدالحق لکھتے ہیں:-

"و رسالہ دیگر در عوام الناس شہرت دارد کہ او را حکم نامہ شیخ شرف الدین مے گویند۔ ظاہر آن است کہ از مخترعات عوام است۔ واللہ اعلم"

یہ "حکم نامہ بندگی ملک المشائخ حضرت شیخ شرف بوعلی قلندر" چند صفحوں کا رسالہ ہے۔ اس کے مطابق آپ چالیس برس کی عمر میں دہلی پہنچے۔ علمائے زمانہ

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سے مباحثہ ہُوا، لیکن سب آپ کی بزرگی کے قائل ہو گئے اور کوشش کر کے آپ کو "دہلی کے درس اور فتوے نگاری" کا عہدہ سپرد کیا۔ بیس سال تک آپ نے یہ شغل جاری رکھا۔ پھر جذبہ نے جوش کیا اور یہ سب کچھ ترک کر کے سیر و سیاحت کو نکل کھڑے ہوئے۔ اور قلندرانہ وضع اختیار کر لی۔ اثناء سفر میں شیخ شمس الدین تبریزی اور مولنا روم سے ملاقات ہوئی اور ان سے جُبہ و دستار حاصل کیا۔ سفر سے واپسی پر جذبہ اور قوی ہو گیا اور بقیہ عمر مجذوبانہ گزری۔

مُلتان میں تبلیغی اور صُوفیانہ سرگرمیاں

سُہروردی اور دُوسرے سلسلے

تصوف کے ہندوستانی سلسلوں میں سب سے زیادہ شہرت چشتیہ خاندان کو ہے [اور فی الواقع اس میں کئی خصوصیتیں ایسی تھیں جن کے لیے ہندوستانی حالات خاص طور پر سازگار تھے۔ مثلاً موسیقی اور سماع کا رواج۔ ادبیت اور شعر و شاعری سے اُنس۔ ملائمت غیر مسلموں کے ساتھ غیر معمولی رواداری) اور جنھوں نے اس کی مقبولیت و اشاعت میں بڑی مدد دی۔ مسلمانوں کی روحانی تربیت میں بھی اس سلسلے کے بزرگانِ کبار نے بڑا حصّہ لیا، لیکن سہروردیہ سلسلہ بھی چشتیہ کی طرح بہت پُرانا ہے۔ اور ٹھوس تبلیغی کاموں میں تو شاید اس کا پلہ چشتیہ سے بھاری ہے۔

کشمیر میں اسلام کبرویہ سلسلے کے بزرگوں (مثلاً امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ اور ان کے صاحبزادے میر محمد ہمدانیؒ) نے پھیلایا جو سہروردیوں کی ایک شاخ سے تعلق رکھتے تھے، بنگال کے پہلے کامیاب مبلغ شیخ جلال الدین تبریزیؒ تھے۔ جو شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے خلیفہ اعظم تھے۔ اس وقت مشرقی بنگال کی سب سے بڑی زیارت گاہ سلہٹ میں ایک سہروردی (شاہ جلال یمنی) کا مزار ہے۔ گجرات کے قدیمی دارالخلافہ پٹن میں حضرت سُلطان المشائخ اور

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حضرت چراغ دہلیؒ نے بھی اپنے خلفا بھیجے، لیکن دار الخلافہ یعنی شہر احمد آباد کی سب سے بڑی زیارتیں یعنی حضرت قطب عالمؒ اور حضرت شاہ عالمؒ کے سر بفلک روضے سہروردی یادگاریں ہیں۔ اور پاک پٹن سے مغرب کے علاقے یعنی سندھ، مغربی پنجاب اور بلوچستان کو تو بابا فریدؒ بھی بہاء الدین زکریا سہروردیؒ کی ولایت کا جزو مانتے تھے۔[1]

چشتیوں اور سہروردیوں میں بہت سی چیزیں مشترک تھیں اور اس امر کا بھی عام رواج تھا کہ ایک شخص دونوں سلسلوں کے بزرگوں سے فیضیاب ہو۔ لیکن اگر ان بزرگوں کے حالاتِ زندگی اور کارناموں کو بہ نگہِ غائر دیکھیں تو ان کا امتیازی رنگ[2] صاف نظر آتا ہے۔ چشتیوں کی خصوصیات ہم بیان کر چکے۔

---

[1] سیر العارفین ص ۱۱۵

[2] مختلف سلسلوں کی خصوصیات:۔ اسلامی ہند و پاکستان میں ایک سے زیادہ صوفی سلسلوں سے منسلک ہونے کا رواج رہا ہے۔ بلکہ امام الہند شاہ ولی اللہؒ نے تو یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ وہ بیعت کے وقت چاروں خانوادوں (چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ، نقشبندیہ) بزرگوں کے نام لیتے تاکہ ان سب سے فیض حاصل ہو اور ان کی خصوصیات اخذ ہوں۔ ان رجحانات کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ مختلف سلسلوں کے ماننے والوں کے درمیان وہ حد فاصل نہیں رہی لیکن پھر بھی ان کے طریقِ ذکر و عبادت میں کئی امتیازات ہیں:۔

چشتیہ:۔ ان کے ہاں کلمہ شہادت پڑھتے وقت الا اللہ پر خاص طور پر زور دیا جاتا ہے۔ بلکہ وہ عموماً ان الفاظ کو دہراتے وقت سر اور جسم کے بالائی حصے کو ہلاتے ہیں۔ ان میں شیخ حضرات کثرت سے ہیں۔ اور اس سلسلے کی امتیازی خصوصیت سماع کا رواج ہے۔ حضرات چشت پر سماع کے وقت ایک وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور وہ بسا اوقات اس سے تھک کر چور ہو جاتے ہیں۔ چشتی درویش بالعموم رنگ دار کپڑے پہنتے ہیں۔ اور ان میں زیادہ تر ہلکے بادامی رنگ کو ترجیح دیتے ہیں۔"

سہروردیہ:۔ ان کے ہاں سانس بند کر کے اللہ ہو کا ورد کرنے کا بڑا رواج ہے ——— وہ

(باقی اگلے صفحے پر)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"